چنار رنگ

(کشمیر کے بارے میں لکھی گئی نظمیں)

ترتیب

بشیر اطہر

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز سرینگر

میرؔ کے شعر کا احوال کہوں کیا غالبؔ
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

(غالبؔ)

بُجھنے کی دِل کی آگ نہیں زیرِ خاک بھی
ہوگا درخت گور پہ میری چنار کا

•

چمن میں ہے یہ درختانِ سبز پر جوبن
کہ زہر کھاتے ہیں سبزانِ خطۂ کشمیر

(ذوقؔ)

نصیبِ صحبتِ یاراں نہیں تو کیا کیجئے
یہ رقصِ سایۂ سرو و چنار کا موسم

فیض احمد فیضؔ

جا بجا دیکھیں جو نہریں اشکِ ناسخ کی رواں
کوچۂ محبوب پر کشمیر کا دھوکہ ہوا

(ناسخ)

فہرست

پیش گُفتار

اُس جھیل کو سورج ڈُوبنے کے وقت تو دیکھو
جیسے ایک دُلہن حیا سے تمتمائے
ہوئے چہرے کے ساتھ آئینے پر ایک آخری نظر
ڈال کر، شبِ وصل کے لئے جا رہی ہو!

(طامس مور)

کشمیر پر اُردو میں لکھی گئی کچھ سب سے خوبصورت نظموں کا یہ انتخاب میرے لئے ایک خواب کے لباسِ مجاز میں سامنے آنے کے برابر ہے۔ جب آج سے تیس سال پہلے شمیم احمد شمیم مرحوم اور میں سرینگر سے "تعمیر" نکالتے تھے تو ہم نے ہر شمارے کی پہلی نظم کشمیر کے موضوع پر شایع کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ہمارے موضوع کا جادو تھا کہ بہت جلد رسالے کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔ بہت جلد کشمیر سے متعلق بہت اچھی نظموں کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا کہ ہمیں ایک ایک شمارے میں کئی کئی نظمیں شایع کرنا پڑیں اور اس کے بعد بھی ہم اس سیلاب پر بند نہ باندھ سکے۔ اس طرح سے کشمیر سے متعلق اچھی نظموں کی اتنی تعداد میسر ہو گئی کہ ہمیں انہیں ایک الگ انتخاب میں شایع کرنے کا خیال آیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ یہ بیل منڈھے چڑھ جاتی واقعات کے تھپیڑوں نے ہمیں اُس نشیمن سے اکھاڑ دیا۔ مجھے مسرت ہے کہ آخر کار اس آرزو

کی کونپل اب اکادمی کے چمن زار میں بشیر اطہر صاحب کے ہاتھوں ایک شاخِ سبز درخت کی صورت میں پروان چڑھی ہے۔ ہاں۔ یہ بات ضرور ہے کہ اس میں 'تعمیر' کی نظموں کا ایک خاصا حصہ موجود ہے۔

کشمیر پر دُنیا کی مختلف زبانوں میں شاعروں اور سیاحوں کے خوبصورت خراج موجود ہیں۔ اس حد تک کہ ہم کشمیریوں کو بہت سی صورتوں میں ان کی خبر ہی نہیں ہے۔ مجھے کچھ عرصہ پہلے ساہتیہ اکادمی کے سابق صدر پروفیسر اوماشنکر جوشی نے بتایا کہ گجراتی میں ایک شاعر کا کشمیر پر منظوم خراج موجود ہے جو اُنیسویں صدی میں لکھا گیا ہے اور جو گجراتی ادب کا ایک شاہ کار ہے۔ آج ہی کی بات نہیں ہے۔ مُدت سے صاحبِ نظر قاری مہاکوی کالیداس کی بے مثل اور بہت ہی سُندر منظر نگاری کا دامن کشمیر سے جوڑتے رہے ہیں۔ اُس کی فطرت نگاری کی پُشت پر کشمیر کا اُپسرا روپ نہ ہوتا تو شاید اس میں وہ مہک اور کھنک نہ آتی جو اُسے اس قدر دلآویز بنا دیتی ہے[1]۔ بلہن نے آج سے لگ بھگ ایک ہزار سال قبل اپنے گاؤں کھنموہ کے حوالے سے کشمیر کی جو حسین تصویر دکن میں لفظوں کے ستارے ٹانک کر کھینچی۔ وہ آج بھی اپنی تازگی سے محروم نہیں ہوئی ہے۔ مرزا حیدر گورگاں نے وسطِ ایشیا کے خیابانوں سے کشمیر میں آکر آج سے کوئی ساڑھے چار سو برس پہلے تقریباً مدہوشی کے عالم میں لکھا تھا۔

---

[1]۔ حال ہی میں کشمیر کے ایک تحقیق نگار نے کہا ہے کہ کالیداس گاندربل کے منی گرام (منی گام) میں رہتا تھا اور اُس کا تعلق یچھا خاندان سے تھا۔ جس کے پوت سپوت آج بھی کشمیر میں رہتے ہیں۔

"مختصراً یہ کہ میں نے کشمیر سے حسین و جمیل کوئی ملک نہ دیکھا ہے اور نہ ایسا سُنا ہے۔ یہاں سال کے چاروں موسم اپنا الگ الگ رنگ، روپ اور کشش رکھتے ہیں۔"[1]

اُردو میں کشمیر کی خوبصورتی کا ذکر پہلے تو فارسی کے اثر سے آیا۔ جہاں حافظ شیرازی نے "سیاہ چشمانِ کشمیری" کے تذکرے سے ایک نگارخانے کو روشن کر دیا تھا۔ اُردو کے بڑے بڑے شاعر مثلاً میرؔ، غالبؔ اور انیسؔ وغیرہ کشمیر تو نہیں آسکے مگر کشمیر سے خوشبو کی لپیٹیں اُن تک پہنچتی رہیں۔ غالبؔ تو کشمیر کے گلشن کے بھی، اس کی شراب کے اور اس کے حسینوں کے بھی رسیا تھے اور تینوں کا ذکر اُن کے کلام میں تیکھے انداز سے آیا ہے۔ع

میرؔ کے اشعار کی بات کہوں کیا غالبؔ
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

بہ شیرۂ خانۂ کشمیر آوردہ اند شراب

حورِ بہشتی زیاد آں بُتِ کشمیر بُرد
بیم صراط از نہاد آں دُمِ شمشیر بُرد

انیسویں صدی کے دوسرے وسط میں ذرائع آمد و رفت کی ترقی کے علاوہ انگریزوں کی کشمیر میں آمد و رفت نے کشمیر شناسی اور کشمیر نوازی کے دروازے کھول دیئے اور یہی وہ زمانہ ہے جب کشمیر سنجی کا زمزمہ اُردو میں پوری شان سے بجنے لگتا ہے۔ اس

---

[1] مُستند تحقیق نگاروں کے مُطابق فارسی اشعار میں جتنی کثرت سے کشمیر کا نام آیا ہے کسی اور ملک کا نہیں۔ (م۔ی۔ٹ)

الاؤ کو سُلگانے میں کشمیر کے اُفق سے ٹوٹے ہوئے تین ستاروں نے خاص طور سے اہم حصّہ ادا کیا۔ اقبالؔ، چکبستؔ اور محمدالدین فوقؔ۔ انہوں نے کشمیر کے زمزمے بھی گائے۔ لیکن ان کے یہاں ہمیں کشمیر کے ظاہر کے علاوہ اس کے باطن کو اُجاگر کرنے کی لگن بھی ملتی ہے۔ اُس وقت تک غیر مُلکی شعراء نے کشمیر کو صرف نظر نوازی اور عیاشی کا موضوع سمجھا تھا۔ اقبالؔ، چکبستؔ اور فوقؔ نے خُدا کی اس جنت کو کشمیریوں کے جہنم کی صورت میں دیکھا اور اپنی دردمندی سے اس کے زخموں کو زبان عطا کر دی۔ انہی دنوں خوشی محمد ناظرؔ جیسا خوش گو شاعر کشمیر میں آیا تھا تو وہ خوشاب پنجاب کا لیکن اُس نے کشمیر کو اپنا وطن بنایا۔ کشمیر پر اس کی نظمیں تو خیر بہت خوب ہیں اُس کی دوسری نظموں میں بھی فطرت نگاری کے غیر شعوری لمحوں میں کشمیر کی صدائیں اور صورتیں اُبھرتی ڈوبتی رہیں۔ مثلاً اُس کی مشہور ترین نظم "جوگی" کا یہ مصرعہ ؏

ہر شاخِ چنار ستارہ بنی، ہر سروِ سُمن سنتور ہوا

بہر حال، اقبالؔ، چکبستؔ اور فوقؔ کشمیر کے درد میں اس طرح ڈوب گئے کہ کشمیر میں حُب الوطنی کی چنگاریاں چھٹکانے اور ایک قومی جذبہ پیدا کرنے کا سہرا سب سے پہلے انہی کے سر باندھنا پڑتا ہے۔ اقبالؔ کے ایسے اشعار تو زبان زدِ عام ہیں۔ چکبستؔ کا صرف ایک شعر دیکھیے ؏

تازہ ہیں مضامین طبیعت بھی ہری ہے
ہاں گُلشنِ قومی کی ہوا سر میں بھری ہے

حالانکہ کشمیر کے حُسن کی نقاشی میں وہ کسی سے پیچھے نہیں۔ مصرعہ ذیل میں انہوں نے صرف چند الفاظ میں ایک پورا کینوس منوّر کر دیا ہے ؏

ہر خار پر بھی ہے مژۂ حور کا عالم

اور فوقؔ مرحوم کا شعر ؏

خاکِ پاکِ خطۂ کشمیر ہے جنت مگر

قہر و دوزخ کا نمونہ ہے وہاں بیگار بھی

وقت کے ساتھ ساتھ کشمیر کی نغمہ پردازی کی لَے اونچی ہوتی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کی مظلومیت کے سُر بھی بُلند ہوتے گئے۔ جسٹس شاہ دین ہمایوں کی نظم مُرصع نگاری کی نئی سرحدوں کو چھوتی ہے تو جسٹس محمد حسین عارفؔ کی نظم کشمیریوں کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچتی ہے۔ اُن کی نظم کشمیر کی اُس وقت کی صورتِ حال پر تاریخی اہمیت کی حامل ہے اور اسے مؤرخ بھی بڑے کارآمد انداز سے استعمال کرسکتا ہے۔ گو عام اُردو شاعر کشمیر کو صرف عشرت کدہ سمجھ کر کہتے رہے ؏

کیجئے دونوں جہاں کی نعمتوں کا انتخاب

لایئے شیراز سے مے پیجئے کشمیر میں

کشمیر شناسی کی نظموں میں حفیظؔ جالندھری کی "تصویرِ کشمیر" ہمیشہ قدرِ منزلت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی رہے گی۔ یہ نظم تحریک حُریت کشمیر کے عروج میں لکھی گئی تھی۔ تحریک کے رہنماؤں شیخ محمد عبداللہ، بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق سے اُن کے ذاتی تعلقات تھے اور تحریک کے بارے میں اُن کے خیالات سے ہی نہیں، جذبات سے بھی آگاہ تھے۔ اُن کی زوردار نظم میں کشمیر کے محاسن و مطالب کے ساتھ ساتھ اس کے مسایل و مصایب کی بھی گونج ہے۔ جب وہ کشمیر کی توصیف کرتا ہے تو یوں دادِ سخن دیتا ہے ؏

کیا ہے جنت چند حوریں ایک چمن دو ندیاں
خیر زاہد کی رعایت سے یہ کہتا ہوں کہ ہاں
عالمِ بالا پہ پَرتو ہے اسی کشمیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے، کشمیر کی تصویر کا

اور پھر دوسرا پہلو ؎

شیر سے محروم ہے مالک ہے جوئے شیر کا

زندگانی ہے یہاں مرگِ دوامی کے لئے
مائیں جنتی ہیں یہاں بچے غلامی کے لئے

لیکن حفیظ کی اس نظم میں کچھ ایسے نازک مقامات آتے ہیں جہاں شاعری ٹرین پٹڑی سے اُتر بھی جاتی ہے۔ ایک طرف تو وہ کشمیر آنے والے سیاحوں کے صحت مند جذبات کو نظر انداز کر کے اُن کی شہوت پرستی اور بد ذوقی پر یوں پھبتی کستا ہے ؎

اس گروہِ عام کا ہے ذوق کتنا بے بساط!
یہ شکم کی پرورش یا اختلاطِ مرد و زن

لیکن جہانگیر اور نورجہاں کے شالیمار میں تشریف لانے کے بارے میں وہ ایسی گُہر باری کرتا ہے جیسے وہ آدم ذات نہ رہے ہوں بلکہ دیوتا ہوں۔ اور جیسے اُن کے شبستان میں صرف سادھنا اور بھگتی کے مظاہرے ہو رہے ہوں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شاعر آزادی کے نغمے گالے کے باوجود جاگیردارانہ رومان پرستی کو ترک کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ حالانکہ آخر پر خود اُسے اس لغزش کا اندازہ ہو جاتا

ہے ع جو نظر تھی قصر و ایوانات پر باغات پر
کاش وہ مرکوز ہوتی آدمی کی ذات پر

افسوس ہے کہ حفیظ کی یہ اہم نظم اُن کے کسی مجموعۂ کلام میں شامل نہیں ہے۔ اچھا ہوا کہ یہ نظم اس مجموعے کے صفحات میں شیرازہ بند ہوگئی۔ یہ بہت عرصے سے نایاب تھی اور شائقین کی دسترس سے باہر۔

کشمیر پر نظموں کے سلسلے میں یہ بات مدِ نظر رکھنا ہوگی کہ اس نام کے لمس سے ہی شاعروں کے حواس شعلہ بداماں ہو جاتے ہیں اور سردار جعفری جیسا شاعر چہچہاتا ہے ع

پتھر کی ہتھیلی پہ مہکتا ہے گلستان

کشمیر سے متعلق ان نظموں میں اہلِ کشمیر کی خوبصورت نگارشات بھی شامل ہیں۔ اور اُن میں سے چند انتھالوجی کی سب سے اچھی نگارشوں میں شامل ہیں ناظر۔ تنہاؔ۔ نازکیؔ۔ کمال الدین شیداؔ۔ قیصرؔ۔ شہیدیؔ۔ مستؔ وغیرہ تو پیش پیش ہیں۔ کمال الدین شیداؔ نے کانگڑی کے بارے میں مندرجہ ذیل شعر میں جس شوخ نکتہ آفرینی کا مظاہرہ کیا ہے اُس کا لطف صرف وہی لوگ اُٹھا سکتے ہیں جن کا کشمیر میں قیام رہا ہو اور عام زندگی سے واسطہ اس میں ذرا سی غفلت سے ابتذال پیدا ہو سکتا تھا لیکن وہ اس پُل صراط سے صاف گذر گئے ع

خویش و بیگانہ سے اس کا رشتۂ پیوند ہے!
شوئے بانو کانگڑی، بانوئے شوہر کانگڑی

ان شاعروں کی برکت سے کشمیر کے انسانی اور دوسرے تہذیبی متعلقات

پر بھی خوبصورت نظمیں وجود میں آئی ہیں۔ کشمیر کے حُسن کو ان نقوش کی آرائش سے الگ کر کے دیکھنا ایک بہت بڑی تہذیبی کوتاہی ہوتی۔ کشپ رشی، للہ عارفہ، کانگڑی، عنبری سیب وغیرہ پر نظمیں اسی رُجحان کی آئینہ دار ہیں۔ انسانی معاملات سے انہماک کا ایک اچھا نمونہ اس گلدستے میں جدید حسیت کے شاعر محمدؐ علوی کی مختصر نظم "پردہ" ہے۔ وہ پھولوں میں بیٹھی ہوئی سیاہ بُرقع کاڑھے ہوئے لڑکی سے جب کہتا ہے کہ ان پھولوں کے درمیان تُم پر کون نظر اُٹھائے گا۔ تو یہ کشمیر کی قدرتی خوبصورتی کا ایک بہت ہی بلیغ اظہار بن جاتا ہے اور پھر پردہ نشین پر یہ چُبھتا ہوا طنز ع

ٹھوکر کھانے سے پہلے اپنے رُخ سے یہ کالی دیوار گرادے

یہ کشمیر کی لڑکی کو حور اور اپسرا کی رنگین عینک اُتار کر دیکھنے کا بھی شاخسانہ ہے۔ یہ دراصل غالبؔ سے علویؔ تک اُردو شاعری کی حیثیت کا سفر بھی ہے اُمید ہے کہ اس مجموعے کو کشمیر کے شناسا اور ناشناسا دونوں پسند کریں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ لایق مُرتب بشیر اطہر نے کچھ کھوئے ہوئے کشمیر پاروں کی تلاش میں جستجو سے گریز نہیں کیا۔

محمد یوسف ٹینگ

سری نگر ۱۷ مارچ ۱۹۸۷ء

پہلی بات

کشمیر کو دستِ قدرت نے جتنا حُسن عطا کیا ہے اتنے ہی حسین پیرائے میں اعجاز رقم تخلیق کاروں نے اسے اپنی تخلیقات میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ کشمیر سے متعلق اُردو میں لکھی گئی نظموں کا ذخیرہ کم تو نہیں مگر بکھرا پڑا ہے۔ اس وجہ سے کشمیر پر لکھی گئی نظموں کا مجموعہ ترتیب دینے میں جو مشکلات مجھے پیش آئی ہونگی اُن کا آپ بخود اندازہ

کر سکتے ہیں۔ تاہم میری یہ کوشش رہی ہے۔ کہ میں زیادہ سے زیادہ شعراء کو اِس مجموعہ میں شامل کر دوں۔ میری یہ بھی کوشش رہی ہے کہ اُن نظموں کو ترجیح دوں، جن کے مضامین اور اسلوب میں نیاپن ہو۔ اور ساتھ ہی جن میں کشمیر کی خوبصورتی کا ایک سے زیادہ پہلو اُجاگر ہو۔ اِس وجہ سے اِس مجموعے میں آپ کئی ایک شعرأ کی ایک سے زیادہ نظمیں پائیں گے۔

کشمیر ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع ایک ایسی ہوشش رُبا وادی ہے جس نے ساری دُنیا کو اپنے حُسن کا مداح بنایا ہے۔ "راج ترنگنی" اور "نیل مت پران" میں ذکر ہے کہ کشمیر ایک بہت بڑی جھیل تھی جِس کا نام "ستی سر" تھا۔ ایک درویش "کشپ رشی" نے اِسکا پانی نکال کر ہندوستان سے کچھ برہمنوں کو لایا اور یہاں آباد کیا۔ "کشپ رشی" نے اِسکا نام "کشپ مر" یا "کشپ پور" رکھا جو دھیرے دھیرے کشمیر بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس زمانے میں یہاں "یکشں" اور "پشاچ" نامی قبیلے پہلے ہی سے آباد تھے۔

قدرت کے عظیم ہاتھوں نے اِس حسین وادی کو تین حصّوں میں تقسیم کر کے رکھا ہے۔ بیچ میں کشمیر کی وادی ہے جس کا طول "۸۴" میل اور عرض "۲۴" میل اور بلندی اوسطاً سطحِ سمندر سے ۶۰۰۰ فٹ ہے۔ اتنی بلندی پر ایسی زرخیز اور خوبصورت وادی دُنیا میں اور کہیں نہیں ملتی ہے۔ یہاں کے لہلہاتے دھان کے کھیتوں نے کتنے ہی شاعروں اور ادیبوں کے دِل بے قابو کئے ہیں۔

پہلگام، کوکرناگ، ویری ناگ، اچھہ بل، اہرہ بل، ڈکسُم، وادئ لولاب۔ داچھی گام۔ یوس مرگ اور گلمرگ جیسی حسین وادیوں، نیلگوں چشموں اور آبشاروں، ڈل کے کنارے واقع شالیمار، نشاط، چشمہ شاہی اور ہاروَن جیسے صحت افزا

مقامات، 'سندھ' اور 'چناب' کی خوشنما وادیوں اور سری نگر کو اپنے دو کندھوں پر بسائے جہلم کی خوبصورتی کی بات ہی اور ہے ۔۔۔۔

کشمیر کے حسین مناظر سے متعلق سر فرانسس ینگ ہسبنڈ رقمطراز ہے:-

"EACH SPOT IN KASHMIR, ONE IS ENCLINED TO THINK THE MOST BEAUTIFUL OF ALL PERHAPS BECAUSE EACH IN SOME PARTICULAR EXCELS THE REST."

[SIR FRANCEIS YOUNG' HUSBAND IN IN "KASHMIR" PAGE 17 1ST EDITION]

'برنیر' (BERNIER) لکھتا ہے:-

" سچ تو یہ ہے کہ میں تخیل کی انتہائی جولانی میں بھی تصور نہ کر سکتا تھا کہ یہ اقلیم اتنی حسین ہوگی۔"

آگے چل کر لکھتا ہے:-" فطری طور پر سوئیزرلینڈ ہی وہ ملک ہے جس سے کشمیر کا مقابلہ کرنے کو طبیعت سب سے پہلے مائل ہوتی ہے۔ سوئیزرلینڈ فی الواقع بہت سی دلفریبیوں کا حامل ہے مگر جو قدرتی حسن کشمیر کو قدرت نے عنایت کیا، اسکا مقابلہ سوئیزرلینڈ کا مشینی حسن نہیں کر سکتا۔ سوئیزرلینڈ پہاڑ اور جھیل کے ملاپ میں کشمیر سے بڑھ گیا ہے۔ لیکن وہ چھوٹے پیمانے پر بنا ہوا ہے۔ وہاں کشمیر کی طرح برف پوش پہاڑ دور دور تک پھیلے ہوئے

نہیں ہیں۔ برفانی پہاڑوں کا مکمل دایرہ جو وادیٔ کشمیر کے لمبے اور
چوڑے میدان گھیرے ہوئے ہے سوئیٹزر لینڈ میں کہیں نظر نہیں آتا۔
کشمیر کے پیچھے جو ہوش رُبا کوہساروں کا سلسلہ ہے اور جس کا
دُنیا بھر میں جواب نہیں، سوئیٹزر لینڈ میں نہیں ہے۔"
کشمیر کے ہوش رُبا حُسن کو سمیٹنا اعجاز رقم تخلیق کار کو بھی بار
بار سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ میرے قلم میں اتنی طاقت کہاں کہ وہ
اس بے پناہ حُسن کا اِحاطہ کر سکے۔"

حلقۂ کہسار میں ہے یہ دیار بے نظیر
دیو کے پنجے میں جیسے قید ہو بدرِ مُنیر
ابر ہے یا بزم رنگ و بُو میں قدرت کا سفیر
طائیروں کے گیت جھرنوں کی وضو آور نفیر
بن گئی ہیں ساز شاخیں نغمۂ بیدار کا
رہزن دِل ہے نکھر کر رنگ برگ و بار کا

کشمیر جھیلوں، دریاؤں اور پھولوں کی سرزمین ہے۔ یہ دُنیا بھر میں صاف و
شفاف پانی کے لئے مشہور ہے۔ 'وُلر' 'مانسبل' اور 'ڈل جھیل' یہاں کی مشہور جھیلیں
ہیں۔

'وُلر' ایشیا کی سب سے بڑی صاف پانی کی جھیل ہے جو ۱۲½ میل لمبی اور
'۵' میل چوڑی ہے۔ ڈل جو سری نگر کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیتی ہے '۴' میل لمبی
اور '۲' میل چوڑی ہے۔ یہ جھیل اپنے اندر ہاوس بوٹوں اور شکاروں کی الگ دُنیا

بسائے ہوئے سیلانیوں کے لئے باعثِ کشش بھی ہے اور باعثِ سکون بھی۔

اللہ اللہ ہے کیا حُسنِ چمن پانی میں
سبزہ و لالہ و گُل سرو و سمن پانی میں
تودۂ سیم ہے ڈل کے خزینے میں نہاں
برفِ کُہسار ہے یا عکس فگن پانی میں

مانسبل جھیل اِن دو جھیلوں یعنی ڈل جھیل اور وُلر جھیل کے مقابلے میں گہری ہے اور اِس کا پانی اپنے اردگرد واقع پہاڑوں کا عکس اپنی نیلگوں آنکھوں میں سموئے جیسے کہتا ہے :-

کیسے کیسے ہیں دِل افروز نظارے اِس میں
کوہ پانی میں، چمن پانی میں، بَن پانی میں

آنچار :- سری نگر کے شُمال و مغرب میں ایک دو دُھیلے پانی کی شفاف جھیل ہے۔ تکونی شکل کی اِس جھیل کی ہر نکھ کے آس پاس وادی کے بالائی حصّوں میں جو خاص جھیلیں ہیں وہ ہیں 'گنگ بل' 'لول گول' اور 'سر بل' یہ جھیلیں سطحِ سمندر سے ۱۲۰۰۰ فٹ کی بُلندی پر واقع ہیں۔ 'گنگ بل' کے پانی کو ہندو بہت پوتر مانتے ہیں

پیر پنچال کے جنوب مشرق میں واقع سمندر کی سطح سے ۱۲۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ایک اور بہت ہی خوبصورت جھیل ہے۔ اِس جھیل کا نام ہے 'کوثر ناگ'۔ اِس جھیل کے تین طرف اونچی اونچی چوٹیاں ہیں اور چوتھی طرف وہ گلیشر جو اِس جھیل کے پانی کا ذریعہ ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ دریائے جہلم کا اصلی سرچشمہ یہی

جھیل ہے۔ مگر عام متفقہ رائے ہے کہ جہلم کا منبع "ویرناگ" ہے۔
'وادئ لدر' کے حسین گلیشروں کے آگے ۱۴۰۰۰ فٹ کی بلندی پر "شیش ناگ" ہے۔ یہ جھیل پونترا امرناتھ گپھا کے راستے میں آتی ہے۔
اسکے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں چھوٹی چھوٹی جھیلیں اور چشمے ہر طرف اِس وادی کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔
شمال میں پہاڑوں کا جو سلسلہ ہے اس کے پرے مشرق میں لداخ اور گلگت، اور بلتستان اور دردستان آباد ہیں۔
لداخ لاماؤں کی سرزمین جو سمندر کی سطح سے ۸۰۰۰ فٹ سے ۱۵۰۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں کے پہاڑ ۱۷۰۰۰ فٹ سے ۲۵۰۰۰ فٹ اونچے ہیں۔ قراقرم کی پہاڑیاں لداخ کے شمالی سرحد کی نگہبان ہیں۔ جنوب میں لداخی پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ اور اُس سے آگے زنسکار کا پہاڑی سلسلہ ہے۔ اِن دونوں سلسلوں کا سینہ چیرتے ہوئے اُچھلتا کودتا اور جھومتا دریائے سندھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ جہاں اِس خطّے میں دُنیا کے اُونچے اُونچے پہاڑ ملتے ہیں، وہاں ایسی بھی وادیاں ہیں جو دُنیا کے بیشتر پہاڑوں سے اُونچی ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ "ریشو" ضلع میں جو سب سے نچلی وادی ہے وہ بھی سمندر کی سطح سے ۱۳۵۰۰ فٹ کی بلندی پر آباد ہے۔
لداخ صوبے کے ننگے پربت زیادہ تر یورپی سیاحوں کے لئے باعثِ کشش ہیں۔
لداخ کا موسم بھی عجیب نرالا ہے۔ راتیں بہت ہی سرد اور دن گرم ہوتے ہیں۔ یہاں کے باشندے بودھ مذہب کے پیرو ہیں اور یہ لوگ عام طور پر لداخی بولتے ہیں۔ لیہہ لداخ کا دار الحکومت ہے۔

بلتستان سندھ کی وادی میں واقع ہے اور ۶۵۲۲ مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ وردستان کا علاقہ شمال میں قراقرم تک پھیلا ہوا ہے اور اس علاقے میں گلگت، نگر، ہنزا، یاسین، چلاس، پنیال، گیزر، وغیرہ شامل ہیں۔ جگہ جگہ پر "بودھ مٹ" یعنی گپھائیں دکھائی دیتی ہیں۔

لداخ میں جو شاداب وادیاں ہیں وہاں ناشپاتی، سرسوں، گیہوں، خوبانی، انگور، تربوزہ اور سیب وغیرہ کی پیداوار ہوتی ہے۔

کشمیر کا تیسرا حصہ پیر پنچال کے کوہستانی سلسلے کے جنوب میں واقع ہے۔ اس صوبے کا نام جموں ہے۔ دریائے توی کے کنارے سمندر کی سطح سے ۱۰۳۰ فٹ بلندی پر آباد جموں شہر ریاست کی سرمائی راجدھانی ہے۔ اس شہر کی خوبصورتی اس کے اونچے میناروں والے مندر اور پُر وقار محل ہیں۔

صوبہ جموں میں کٹڑہ کا ویشنو دیوی کا مندر لاکھوں ہندوؤں کی عقیدت اور احترام کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس صوبے میں سب سے زیادہ خوبصورت بھدرواہ، کشتواڑ، اور پاڈر کے علاقے ہیں۔ حُسن سے مالا مال اس خطّے کو قدرت نے دیودار کے گھنے جنگلوں سے نوازا ہے۔ کشتواڑ میں زعفران کی بھی کاشت ہوتی ہے مگر یہ پانپور سری نگر کے زعفران کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔ کشتواڑ کے حُسن میں مچلتے ہوئے آبشاروں نے تو ماتھے کی بندیا کا کام دیا ہے۔ یہ آبشار کہیں کہیں ۲۵۰۰ فٹ تک کی اونچائی سے گرتے ہیں۔

بھدرواہ کو چھوٹا کشمیر کہا جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وادی کے حُسن کا جواب نہیں۔ یہ وادی چاروں طرف سے سرسبز و شاداب جنگلوں سے گھری ہوئی ہے۔ بھدرواہ

بجبار روڈ جو تکمیل کے آخری مرحلوں میں ہے، اس وادی کو ہماچل سے ملائے گا، اس طرح سے وادی کامیابی کے ساتھ سیاحت کے نقشے پر آجائے گی۔

پاڈر کا علاقہ تو اب بھی صنعتی اور مشینی ترقی سے بے خبر رشیوں، منیوں اور گوشہ نشینوں کے لئے روحانی سکون کی آماجگاہ ہے۔ پہاڑوں کے بیچوں بیچ بہتے والا چناب دریا جہاں اس علاقے کے قدرتی مناظر کو بڑھاوا دیتا ہے وہاں یہ اس علاقے کی معاشی ترقی کی بھی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ یہ علاقہ پھولوں کے مختلف اقسام کے لئے بھی مشہور ہے۔ تاحدِ نظر خوبصورت پھولوں کے جھنڈوں کے جھنڈ نظر آتے ہیں - جن کی آبیاری قدرت کے عظیم ہاتھ ہی تو کرتے ہیں۔ زیرِ تعمیر "کشتواڑ سِن تھن" روڈ جو وادیٔ کشمیر کو اس علاقے سے ملائے گا اب قریب قریب تیار ہو چکا ہے۔ اس راستے سے سیاح قدرت کی وہ حسین کاریگری دیکھیں گے جو آج تک رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے انسانی نظروں سے اوجھل رہی۔

رنگ و نسل اور بھید بھاو سے پاک اس سرزمین کی تہذیب اور تمدن کے رنگ بھی یہاں کے پھولوں کے رنگوں کی طرح خوشنما ہیں مگر ہر رنگ دوسرے سے اسطرح ملا ہوا ہے جیسے "اندر دھنش" کے سات رنگ۔ دوسرے فنونِ لطیفہ کی طرح فنِ تعمیر میں بھی کشمیری کاریگروں کی عظمت یہاں کے مندروں، مسجدوں اور محلات سے صاف عیاں ہے۔ مارتنڈ، پاندریٹھن، وانگت، بُنیار، اونتی پورہ، پٹن اور پرسپور کے قدیم مندر کندہ کاری، سنگتراشی اور تعمیر کاری کے اہم نمونے ہیں۔ "شنکر آچاریہ" یا بقولِ فارسی مؤرخین "تختِ سلیمانؑ" اپنی عظمت کی مثال آپ ہے۔

سلطان زین العابدین کے دور میں بنی لکڑی اور اینٹوں کی عمارتیں کچھ کم قابلِ دید نہیں ہیں۔

نوشہرہ کا دارالعلوم، زینہ گیر اور وولر کے جزیرہ پر بنوائے ہوئے محل اور پھر اسلامی عہد میں تعمیر کی گئی مسجدیں اور خانقاہیں ہمیں اپنے گزرے ہوئے ماضی کی یاد دِلاتی ہیں۔

شاہِ ہمدانؒ کی مسجد، جامع مسجد، خانقاہِ معلیٰ، حضرت بل، حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کی درگاہ اور سُلطان زین العابدین کا گنبد اُن فنکاروں اور کاریگروں کی عظمت کے گیت گاتے ہیں جنہوں نے آج سے سینکڑوں سال پہلے اِن یادگاروں کی تخلیق کی ہے۔

جموں وکشمیر میں، کشمیری، ڈوگری، گوجری، پنجابی، لداخی، پہاڑی اور بلتی کے علاوہ اور بھی کچھ چھوٹی چھوٹی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ کشمیریوں کی جسمانی اور نسلی خصوصیات گرد وپیش کی نسلوں سے جُدا ہونے کے باعث کچھ محققین انہیں یہودیوں بلکہ عبرانیوں کے سلسلے سے جوڑ دیتے ہیں۔ مگر اِس رائے سے زیادہ لوگ متفق نہیں ہیں بلکہ مُستند رائے یہ ہے کہ کشمیری آریوں کی اُس ذات سے تعلق رکھتے ہیں جو ایران سے ہوکر یہاں آئے تھے۔

قدرت نے کشمیریوں کو دستکاری کے اُن فنون سے بھی نوازا جو ساری دُنیا میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ یہاں کے ہُنرمند دستکاروں کے شال، خوش زیب قالین، گبّے اور لکڑی پر نقاشی کا کام صرف مُلک میں ہی نہیں بلکہ ساری دُنیا میں مشہور ہے۔ قدرتی حُسن کے ساتھ ساتھ یہی وہ چیزیں ہیں جنہوں نے نہ صرف شاعروں بلکہ زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔

ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی لکھتے ہیں:۔ "جو لوگ کشمیریوں سے بخوبی واقف ہیں اور انہیں بہت قریب سے دیکھ چُکے ہیں وہ فوراً یہ تسلیم کریں گے کہ کشمیری بُنیادی طور پر تخیّل پسند اور صوفی طبع ہوتا ہے، اِس کے ماحول نے اِسے ایسا بنا دیا ہے عظیم پوتانی چوٹیوں، رواں سیمیں چشموں اور ارفع تنہائیوں نے اِس کے ذہن کو اِس راستے پر لگا دیا ہے۔

سات سو سال تک بدھ مذہب، ویدانت کی تعلیم اور ایرانی ماخذ سے سرایت کرنے والے اسلامی تصوّف کو کشمیر نے سر آنکھوں پر بٹھایا ہے۔ پیروں اور پنڈتوں نے تو اسے توہم پرست بنانے کی کوشش بھی بڑے زور و شور سے کی ہے۔ نتیجہ یہ کہ تصوّف اور وہم اب کشمیری فطرت میں رچ گئے ہیں۔"

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ "کشمیری بیشتر موضوعات پر ذہانت سے بات کر سکتا ہے۔ طنز کرنے کی بڑی استعداد رکھتا ہے اور تمام نازک خیال لوگوں کی طرح جذباتی اور مبالغے کا شائق ہوتا ہے۔ کوئی کام ایسا نہیں جو کشمیری نہیں کر سکتا ہے۔ وہ بہت عمدہ کاشتکار ہے، اچھا مالی ہے اور نخل بندی کے متعلق بہت معلومات رکھتا ہے۔ نفیس اُونی کپڑا بُننا، عمدہ ٹوکریاں بنانا، لکڑی کا کام اور سونے چاندی کا کام سب آتا ہے۔"

دُنیا میں میں اپنی مہمان نوازی کے لئے مشہور "پھیرن" (پیرہن) پہنے اس سادہ لوح کشمیری نے ہزاروں سیاحوں کے دل جیتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی کے اس خیال کی تائید کہ کشمیری ذہین ہوتے ہیں، صدیوں پہلے ہیون سانگ نے ان الفاظ میں کی ہے:۔

"THE PEOPLE OF KASHMIR LOVE LEARNING AND ARE WELL CULTURED. SINCE CENTURIES LEARNING HAS BEEN HELD IN GREAT REVERENCE IN KASHMIR."

یہ اُس زمانے کی بات ہے جب کشمیر سنسکرت ادب کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور علم و ادب کی محفلیں بام عروج پر تھیں۔

کشمیر کا باہری حُسن جہاں اس کی پُرکشش وادیوں، آسمان سے باتیں کرتے ہوئے کوہساروں، لاتعداد مہکتے پھولوں، گیت گاتی ندیوں اور مچل مچل کر بہتے آبشاروں میں نمایاں ہے، وہاں اسکا اندرونی حُسن اُسوقت تمام دُنیا کو حیرت میں ڈالدیتا ہے۔ جب یہاں پیر دستگیر اور بابا ریشی کی درگاہوں میں کیا ہندو کیا مسلمان کیا سکھ سبھی لوگ اپنی مُرادیں لے کر جاتے ہیں اور جب یہاں امرناتھ یاترا کی رہنمائی کا سہرہ مسلمانوں کے سر رہتا ہے۔ افریقہ میں غلامی کی اندھیروں میں آزادی کی شمع روشن کرنے والے گاندھی جی کو فرقہ وارانہ فسادات میں جلتے ہوئے پورے بھارت میں سے صرف کشمیر سے اُمید کی کرن دکھائی دی تھی اور آج بھی یہاں کی پُر وقار مسجدوں، مندروں، اور گوردواروں سے ایک ہی آواز گونجتی ہے۔ ع

شیخ اور برہمن کو بغل گیر دیکھئے
اس آئینہ میں صورتِ کشمیر دیکھئے

دستِ قدرت نے اس جنت نُما وادی میں رہنے والے لوگوں کو بھی کُچھ کم حسین نہیں بنایا ہے۔ یہاں کے باشندوں کے حُسن کی تعریف کرتے ہوئے "کرنل الیکزنڈر ڈرو" اپنی تاریخ ہندوستان میں جو ۱۸۷۲ء میں چھپی تھی رقمطراز ہیں:۔

"کشمیر کے باشندے حیرت انگیز حد تک حسین ہوتے ہیں اور عورتوں کا حُسن تو خاص طور پر مسحور کُن ہے۔"

"انڈریو ولسن" نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہاروت اور ماروت نامی فرشتوں کو دامِ حُسن میں گرفتار کرنے والی عورتیں کشمیری تھیں۔"

فارسی شاعر ظہوری کشمیری عورتوں کے حُسن کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

" بہ ترکانِ غارت گر صبر و ہوش
بہ کشمیریانِ ملاحت فروش "

جہاں تک کشمیر کے قدرتی حُسن کا تعلق ہے لگتا ہے کہ وہ وقت کی تیز آندھیوں سے بے نیاز، صنعتی اور مشینی دور کے تیز و تُند طمانچوں سے بے خبر آج بھی اُسی دِلکشی کا حامِل ہے جسکا وہ آج سے ہزاروں سال پہلے تھا۔ یہ حُسن آج بھی فطرت کے پرستاروں کو دُنیا کے کونے کونے سے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ وہ خوشبودار بہار میں ہُد ہُد کے رَس بھرے نغمے ہوں یا گرما کے چھچھاتے آبشاروں کی مُدھر دُھنیں، خزاں میں گرتے زرد پتوں کی سرگوشیاں ہوں یا سرما میں برف کی سفید پوشاک پہنے پہاڑوں کے گھیرے میں تھم سی گئی زندگی کی دھیمی سانس غرض ہر چیز اپنی مِثال آپ ہے۔

کشمیر میں سال کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ سال کا آغاز موسم بہار سے ہوتا ہے۔ مارچ سے شروع ہونے والا یہ موسم صرف سال کا آغاز نہیں بلکہ نئی زندگی کا بھی آغاز ہوتا ہے۔ اِس موسم میں پھول کھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ سبزہ نمودار ہوتا ہے اور پیڑ پودوں میں نئی جان آجاتی ہے۔ یہی وہ موسم ہے جسمیں دھان، مکئی، گیہوں اور دالوں کے بیج بوئے جاتے ہیں۔ دھان کشمیر کی سب سے بڑی فصل ہے کیونکہ کشمیری عام طور پر چاول کھانے والے ہیں۔

دوسرا موسم ہے گرما، جو جون، جولائی اور اگست پر محیط ہوتا ہے۔ اِس موسم میں کشمیر اپنے پورے جوبن پر ہوتا ہے۔ ہزاروں سیاح کشمیر آتے ہیں۔ اور اِس دِلفریب وادی کے حُسن سے لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ اِس موسم میں یہاں کے دریا اور ندی نالے بھی اپنے پُورے جوش میں بہتے ہیں۔

سال کا تیسرا موسم خزاں اگست سے لے کر نومبر تک چھایا رہتا ہے۔ یہ پھلوں کا موسم

کہلاتا ہے۔ عام طور سیب کے مختلف اقسام، انگور، اخروٹ اور بادام اسی میں تیار ہوتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ یہی وہ موسم ہے جو سرسبز و شاداب کشمیر کو زرد پوشاک پہناتا ہے۔ درختوں کے پتے جھڑنے شروع ہوتے ہیں۔ اور زندگی دھیرے دھیرے سست ہونے لگتی ہے۔ اسی موسم میں مشہورِ زمانہ زعفران کے خوشنما پھول کھلتے ہیں ؎

ننھے ننھے پھول ہیں پہنے ہوئے رنگین قبا
دِل نشین و دِلنواز و دِلفریب و دِل رُبا

اور سال کا آخری موسم ہے سرما جو نومبر سے مارچ تک زندگی کے ہر پہلو کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیتا ہے۔ یہ موسم پورے کشمیر پر برف کی سفید چادر بچھاتا ہے۔ اور زندگی کا شور و شر آہستہ آہستہ سرگوشیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لیکن اِس موسم کا آغاز بہت ہی دلکش اور دِلرُبا ہوتا ہے۔

یوں تو کشمیر میں پیڑ پودوں کی کوئی کمی نہیں ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک حسین ہے، مگر جو عظمت اور وحدت چنار کو قدرت کے مہربان ہاتھوں نے بخشی ہے اُسے یہ بلند قامت اور پُر خلوص درخت بڑی زندہ دلی سے بانٹتا ہے۔ کشمیری قدرت کے اِس حسین تحفے سے اِسقدر وابستہ ہیں کہ کہتے ہیں اگر کوئی اِس درخت کے سائے میں ایک گھنٹہ آرام کرے تو اُسکا دس گرام خون بڑھ جاتا ہے۔ شاید اسی لئے اِس درخت کو (ROYAL TREE) یعنی درختوں کا بادشاہ کہتے ہیں۔

کشمیری میں اِسے "بُوئن" کہتے ہیں۔ اِس نسل کا سب سے پُرانا ایک درخت بیجبہاڑہ مغل باغ میں ہے جس کا تنا ۵۵ فُٹ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ چنار تقریباً ہر شاعر، فنکار اور ڈرامہ نگار کے دِل و دماغ پر اِس قدر چھایا ہے کہ اُسکے ہر فن پارے میں خود بخود

نمایاں نظر آتا ہے۔ ڈل کے سینے میں واقع "چار چنار" اس درخت کے عظمت کی ایک زندہ مثال ہے ؎

چند لمحے مسندِ گلپوش پر زیرِ چنار
اِک نفس آہنگِ نغمہ اِک نفس خوابِ بہار

چنار کے ساتھ اورنگ زیب کو اتنی محبت تھی کہ جب اُسے ۱۶۷۴ میں بتایا گیا کہ سرینگر کی جامع مسجد میں آگ لگ گئی ہے تو اُس نے پریشان ہو کر سب سے پہلا سوال یہ پوچھا کہ اُس "مسجد کے صحن میں جو چنار ہے وہ سلامت ہے ؟"

بقول اورنگ زیب مسجد تو دوبارہ بہت جلد تعمیر ہو سکتی ہے مگر چنار واپس نہیں آسکتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ شاعروں نے اس درخت کے گیت یوں گاتے ہیں ؎

کشمیر کی حسین بہاروں کی چھاؤں میں !!
شمشاد :: سرو وگل کی قطاروں کی چھاؤں میں
شاخ و شجر کے زمزمہ زاروں کی چھاؤں میں
بدلی سے جھانکتے ہوئے تاروں کی چھاؤں میں
آمر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں

چناروں کے علاوہ بلند قامت اور حسین دیودار کے گھنے جنگل اور سڑکوں کے کناروں پر سفیدوں کی لمبی لمبی قطاریں کشمیر کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ لیکن اگر "سرو" کا ذکر نہ کیا جائے تو ہر باغ کی خوبصورتی ادھوری رہ جاتی ہے۔ یہ حسین درخت یہاں کے باغات کی زینت ہے۔

سر فرانسس ینگ ہسبنڈ (SIR FRANCIS YOUNG HUSBAND) کشمیر کی خوبصورتی اس طرح بیان کرتا ہے :۔ "کشمیر کی دلکشی اِس بات میں مُضمر ہے کہ پہلی جگہ دوسری جگہ سے نہ صرف مختلف ہوتی ہے بلکہ ہر جگہ مُتواتر اپنا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ اکثر دِن روشن ہوتے ہیں لیکن دُھندلے دِن بھی کم جاذبِ نظر نہیں ہوتے۔"

وہ ڈل میں نظر کش شکاروں کا منظر
شکار انشین گلسزاروں کا منظر
وہ کوہ و دمن لالہ زاروں کا منظر
وہ اشجار دِل کش چناروں کا منظر

مغل بادشاہ جہانگیر کشمیر کا متوالا تھا۔ وہ اس بات پر مصر تھا کہ کشمیر کو ملک نہیں بلکہ باغ کہا جانا چاہیئے۔ اس کی آخری خواہش یہی تھی کہ مرنے کے بعد اُس کا مرقد کشمیر میں ہی بنایا جائے۔ کشمیر کے بارے میں اپنے احساسات کو زبان دیتے ہوئے رقمطراز ہیں : "کشمیر ایک سدا بہار باغ ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک فولادی قلعہ ہے جس کا کوئی زوال نہیں۔ بادشاہوں کے لئے ایک سدا بہار اور درویشوں کے لئے ایک دلنواز خلوت سرا جہاں خوش نما چمن و دلکش آبشار، دریا اور شیریں چشمے رواں ہیں۔ حدِ نظر تک سبزہ اور آب رواں ہی دکھائی دیتا ہے۔ گلاب، بنفشہ اور خود رو نرگس صحرا صحرا مہکتے ہیں۔ مختلف النوع پھول گنتی سے بالاتر ہیں۔ کوہ و دشت شگوفوں سے مالامال ہیں۔ گھروں میں در و دیوار و بام پر چمکتے ہوئے گُلِ لالہ کے جُھرمٹ، بہار پرور منظر پیش کرتے ہیں تو ہموار مرغزاروں اور سبزہ رنگ پھولوں کی تعریف الفاظ میں سما نہیں سکتی....."

شدہ جلوہ گر نازنینان باغ   رُخ آراستہ ہر یکی چوں چراغ
(باغ کے نازک اندام خوب رو (پھول) جلوہ افروز ہو گئے ہیں)
غزل خوانیِ بُلبُلِ صُبح خیز   تمنائے مے خوارگاں کردہ تیز
(نغمہ سحرگاہی چھیڑنے والے بلبل کی دلکش آواز نے میکشوں کی خواہش مے کشی کو بڑھا دیا)

کشمیر جنت کا خطاب پانے والی سرزمین ہے۔ وہ سرزمین جس نے شہنشاہوں کو اپنا غلام اور ساری دنیا اپنا مداح بنایا۔ یہاں تک کہ اس سرزمینِ رنگ و بُو نے شاعروں کے تخیل کو اپنے تابع کر دیا ہے، شاید ہی دُنیا کی کوئی ایسی بڑی زبان ہو گی جس میں کشمیر کا حُسن شاعری کا موضوع نہ بنا ہو۔

" اے جنتِ کشمیر" نامی کتاب میں عابد مناوری لکھتے ہیں": اگر ہم شعری ادب پر ایک تحقیقی نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ ہر دور میں دنیا کی تقریباً پچاس۵۰ فیصد زبانوں کے شاعروں نے اس خطۂ رنگ و بو کو اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے۔ ہندوستان میں جب اُردو زبان ظہور میں آئی تو اس زبان کے سخنوروں کو اس "سدا بہار" نے اپنی طرف متوجہ پایا۔ لیکن اس حقیقت کا افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے پاس مجموعی شکل میں ایسا کوئی بھی شعری نسخہ یا کتاب موجود نہیں جس سے یہ جائزہ لیا جا سکے کہ اس خلد بے نظیر سے متعلق کس شاعر نے کیا کچھ کہا ہے۔"

فارسی تو حُسنِ کشمیر سے متعلق اشعار سے مالا مال ہے۔ ادبی لحاظ سے دُنیا کی اس مالا مال زبان میں دسویں صدی سے پہلے ہی کشمیر پر لکھے گئے اشعار ملتے ہیں۔ اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ ایرانیوں کے ساتھ کشمیریوں کے صدیوں سے پہلے تجارتی روابط ہے

ہیں۔ ایرانی تاجروں کے ساتھ ساتھ مختلف شعراء بھی وقتاً فوقتاً کشمیر آئے ہیں اور اس وادی جنت نظیر کے حسن سے لطف اندوز ہو کر انہوں نے اس کو اپنا موضوع سخن بنایا۔ کچھ شعراً نے تو کشمیر کے لازوال حسن سے متعلق صرف سُنی سُنائی باتوں سے متاثر ہو کر ایسے شعر لکھے ہیں جن کو پڑھ کر آدمی یہ تصور نہیں کر سکتا ہے کہ یہ شعر بغیر کشمیر دیکھے لکھے گئے ہوں۔ فارسی زبان نے کشمیر کو جو کچھ دیا ہے وہ ہماری تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر کشمیر کو ایران صغیر کہا گیا ہے۔ مشہور شاعر فرخی جو ۱۰۳۷ء میں انتقال کر گیا اپنے جذبات کا یوں اظہار کرتا ہے ؎

مارا رہ کشمیر ہمی آرزو آید ماز آرزوی خویش نتابیم بیک موئے
گاہ است کہ یکبارہ بہ کشمیر خرامیم از دست بتان پنہہ کنیم از سرِ بت گوی

حضرت شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

ندانم از چہ گل است آن نگار نعمیائی کہ خط کشیدہ در اوصاف نیکوان چگل
بدین ندارد حسن در کشمیر چنیں بلیغ نداند سحر در بابل

۱۱۷۵ء - ۱۲۹۲ء

عرفی کا ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر درآید گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید

(عرفی وفات ۱۵۹۱ء)

اِس طرح سینکڑوں کی تعداد میں ایک سے بڑھ کر ایک شعر کشمیر کے بارے میں تخلیق کیا گیا ہے۔ یہاں ہماری مُراد اُن شعروں کی گنتی نہیں ہے بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے خواہ کسی بھی زبان کا شاعر ہو اور کشمیر یا کشمیریوں سے تھوڑی بہت قربت رکھتا ہو اُس نے کشمیر کے موضوع کو کسی نہ کسی طرح ضرور چھیڑا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات کہ کشمیر سے متعلق شاعری کا آغاز بہت پہلے سے ہو چکا ہے۔ اگر ہم صرف کشمیر پر لکھی گئی فارسی شاعری کو ہی ترتیب دیں تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ ہندوستانی زبانوں میں چاہے سنسکرت ہو، چاہے بنگالی، چاہے پنجابی ہو، یا اور کوئی زبان غرض ہر زبان کے شاعروں نے کشمیر کو اپنا موضوعِ طبع بنایا ہے۔ سنسکرت کے مشہور شاعر بلہن کے اشعار کی صدائے بازگشت آج بھی اُس درد کو جگاتی ہے جس درد سے وہ اپنی جبین زعفران زاروں کی وادی سے دور دکن میں کراہ رہا تھا۔ اُس کے قلم سے نکلا ہوا ہر شعر اُسکے وطن کے تئیں محبت اور اُس درد و کرب کو ظاہر کرتا ہے جو اُسے وادیٔ کشمیر سے بچھڑ جانے نے دیا ہے۔ کالیداس نے یہاں کے زعفران زاروں، دھان کے کھیتوں، آسمان سے باتیں کرتے ہوئے دیو داروں اور جنگلی جانوروں کو موضوع بنا کر بہت خوب نظمیں لکھیں۔ بقولِ ویریندر پرشاد سکسینہ

کشمیر پر پنڈت بشن نرائن در آبر کا شاہکار "مسدسِ کشمیر" مارچ ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ مسدس اُردو شاعری میں سرزمینِ کشمیر پر پہلی نظم مانی جاتی ہے۔ مسدسِ کشمیر کے ۷۵ بند ہیں۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مسدس کشمیر اُردو ادب میں اور خاص کر کشمیر سے متعلق نظموں میں ایک بہت بڑا اضافہ ہے لیکن یہ نظم اُردو میں کشمیر پر لکھی گئی پہلی نظم نہیں ہے اور ویریندر پرشاد سکسینہ صاحب کا دعویٰ صداقت پر مبنی نہیں ہے۔

اُردو شاعری میں اِس سے پہلے بلکہ بہت پہلے سے کشمیر کے حُسن نے اپنی جگہ پائی ہے۔ حالانکہ عابد مناوری صاحب کی یہ بات درست ہے کہ ہمارے پاس مجموعی شکل میں ایسا کوئی بھی مسودہ یا شعری نسخہ نہیں ہے جس سے یہ جائیزہ لیا جا سکے کہ اِس خلدِ بریں سے متعلق کِس شاعر نے کیا کُچھ کہا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چُکا ہے کہ فرانسیسی ڈاکٹر فرانسس برنیر ۱۶۶۵ء میں کشمیر آئے، وہ لکھتے ہیں:-

"I MUST ADMIT TO BEING CHARMED BY KASHMIR IT IS NOT WITHOUT REASON THAT THE MUGULS CALL IT THE TERRESTRIAL PARADISE OF INDIA, THAT 'AKBAR' TRIED SO HARD TO CONQUER IT AND THAT HIS SON 'JAHANGIR' FELL SO MUCH IN LOVE WITH IT. THUS AS SOON AS WE ARRIVED ALL THE POETS BOTH 'KASHMIRI' AND 'MOGUL' VIED WITH EACH OTHER IN MAKING POEMS IN PRAISE OF THIS LITTLE KINGDOM."

اِس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قدرت کی حیرت انگیز کاریگری کے اِس بہترین شاہکار نے بہت پہلے سے ہندوستانی شاعروں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔۔۔

اورنگ زیب کے دربار میں اگرچہ فارسی شاعروں کا بول بالا تھا مگر اُردو شاعری کو بھی کافی مقبولیت حاصل تھی اور مغلوں نے اُردو زبان اور اُردو شاعری کی اہمیت کو محسوس کیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اُردو شاعری کی ترقی، فروغ اور حوصلہ افزائی ہر سطح پر کی جارہی تھی، لیکن افسوس اُس دور کا چند اِکا دُکا شعروں کے سوا ہمارے پاس کچھ زیادہ مواد نہیں ہے۔
پنڈت برج نرائن چکبستؔ کی نظم "کشمیر" یوں تو ۱۸۹۸ء میں "مسدسِ کشمیر" سے بہت پہلے لکھی گئی ہے مگر ۵۲ بندوں والی یہ نظم "زمانہ" اکتوبر ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی۔ حاشیہ میں "زمانہ" کے ایڈیٹر رقمطراز ہیں :-

"یہ نظم کشمیر کانفرنس کے لئے تصنیف ہوئی تھی، لیکن جلسۂ مذکور میں نہ پڑھی جاسکی۔ گو یہ نظم ایک خاص فرقے سے تعلق رکھتی ہے لیکن جو اخلاقی تنزل کی تصویر اس میں کھینچی گئی ہے وہ ہر فرقہ کے لئے یکساں عبرت ناک ہے۔ یہ نظم انجمن نوجوانانِ کشمیر کے ایک سالانہ جلسے میں غالباً ۱۹۰۵ء کے بعد ۹ بندوں کے اضافے کے ساتھ پڑھی گئی ہے۔ تاہم اسکا سالِ تصنیف ۱۸۹۸ ہی رہے گا۔ "زمانہ" کانپور میں اکتوبر ۱۹۰۵ء میں شایع ہونے والی اِس نظم کو بھی ہم کشمیر پر لکھی گئی پہلی نظم قرار نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ اُردو شاعری میں چکبستؔ سے بہت پہلے کے شعراء کے کلام میں بھی کشمیر کا ذکر ملتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ کشمیر مناظرِ قدرت کے خاص موضوع کی حیثیت سے اُردو شاعری کا ایک خوبصورت موضوع بن چکا تھا۔ مثال کے طور پر سوداؔ کے یہ شعر اس بات کی تصدیق کرتے ہیں ؎

سردی اب کے برسی ہے اتنی شدید　　صبح نکلے ہی کانپتا خورشید
جتنا عالم تھا کاشمیر ہوا　　بلکہ کہئیے کہ زمہریر ہوا

گو کہ ۱۱۰۰ء یا اس کے آس پاس ہی کشمیر اُردو شاعری میں ایک موضوع کے طور آگیا تھا۔

مرزا سوداؔ کے اس شعر میں اگرچہ کشمیر کی سردی کو مثال کے طور استعمال کیا گیا ہے مگر اس بات سے انکار بھی نہیں کہ کشمیر کے حُسن فراوانی یہاں کی چھم چھماتی گاتی ندیوں، پہاڑوں کے پرکیف مناظر، روح کو تازہ کرنے والے ہوا کے جھونکوں، خاموش وادیوں، پھولوں کی بکھری ہوئی خوشبوؤں اور رومان پرور نظاروں نے تو اردو شعراء کے دلوں کے تاروں کو چھیڑا تھا۔ بقول کسے: "کشمیر قدرت کی برجستہ اور موزون و مرصع نظم ہے۔"

سوداؔ کے بعد حالیؔ تک کے طویل زمانہ میں کوئی ایسی نظم نظر نہیں آتی ہے جس کا موضوع کشمیر ہو۔ مگر دیگر شاعروں کی طرح ناسخؔ، ذوقؔ اور غالبؔ تینوں نے حُسن کشمیر کو تشبیہہ اور موازنہ کے طور استعمال کیا ہے۔ انہوں نے تشبیہات کے ذریعہ جس طرح اس خطۂ رنگ و بو کے حُسن کا اعتراف کیا ہے اس سے لگتا ہے کہ گویا کہہ رہے ہوں کہ اے وادیٔ گل تمہارے حُسن کی تعریف کے لئے ہم الفاظ تلاش کر رہے ہیں مگر انتخاب اتنا دشوار ہے کہ ایک شعر کے لئے بھی مشکل سے الفاظ ملتے ہیں ؎

جا بجا دیکھیں جو نہریں اشک ناسخؔ کی رواں
کوچۂ محبوب پر کشمیر کا دھوکہ ہوا

؎ میرؔ کے شعر کا احوال کہوں کیا غالبؔ جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں

چکبستؔ کی نظم "کشمیر" سے پہلے الطاف حُسین حالیؔ نے "سیرِ کشمیر" لکھی ہے۔ اِسکے باوجود کشمیر بیسویں صدی کے آغاز سے باضابطہ طور اُردو شاعری کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔ اِس کے چند خاص وجوہات ہیں اور سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ بیسویں صدی سے

پہلے کشمیر کے ساتھ رابطہ سڑکیں پہاڑی اور دشوار گذار تھیں اور اس وجہ سے یہ خلد بریں دُنیا کی نظروں سے اوجھل رہا۔ چونکہ جموں سے سری نگر، پھر راولپنڈی کے راستے سری نگر پہنچنے میں کبھی کبھی مہینوں لگتے تھے اور اکثر یہ راستے آمد و رفت کے لئے سال کے نصف سے زائد عرصہ کے لئے بند پڑتے تھے۔ اسلئے بیرون دُنیا سے کشمیر کا رابطہ برائے نام تھا۔ اب اس زمانے میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ یا تو سُنی سُنائی باتوں کو بُنیاد بنا کر لکھا گیا ہے یا پھر کوئی اکا دُکا شاعر کسی طرح یہاں پہنچ گیا تو اُس نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا وہ لکھا۔ لیکن اِن میں زیادہ شاعر فارسی کے ہوتے تھے جو یا تو پھر یہیں بس گئے یا پھر عمر کا بیشتر حصہ گذار کے یہاں سے آخر چلے گئے۔ پھر بھی اردو شاعروں کی ایک بڑی بڑی تعداد نے اب تک کشمیر کا نا دیدہ تصور ہی پیش کیا ہے۔ بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی کہتے ہیں ؎

شنیدہ گفتگو کو امرِ حق ہے — مگر نا دیدہ کی وجہ قلق ہے
ترستی ہیں یہ آنکھیں اُس چمن کو — درّ و چکبستؔ و نہرو کے وطن کو
نکل آئے گی کوئی ایسی تدبیر — کروں گا جلد میں بھی سیرِ کشمیر

آگے چل کر کہتے ہیں:۔

مجھے مرغوب اُس کی ہر ادا ہے — منوّر یہ مرے دل کی صدا ہے
نکل آئے گی کوئی ایسی تدبیر — کروں گا جلد میں بھی سیر کشمیر

الطاف حسین حالؔی کے بعد اقبالؔ، چکبستؔ۔ حفیظؔ جالندھری۔ محرومؔ، جوشؔ۔ ساحرؔ غرض تقریباً ہر شاعر نے کشمیر کے حُسنِ فراوانی، یہاں کی سادہ زندگی، رہن سہن اور غیر آلودہ تہذیب و تمدن کو اپنا موضوع بنایا۔ اِن شعراء کو کشمیر کے

لافانی حُسن کے ایک ایک پہلو نے مخمور و مسحور کر دیا۔ یہاں کے طویل و عریض کوہستانی سلسلوں کی منظر آفرینیوں نے انسانی تخیل کو حیرت میں ڈال دیا اور جہاں اِن پہاڑی سلسلوں کے پیچیدہ پھیلاؤ نے خوشنما اور دلفریب وادیوں کو جنم دیا ہے اُنہوں نے شاعروں کے تخیل میں بھی نئی روح پھونک دی۔

" THE MOUNTAINS WHICH SURROUND KASHMIR VALLEY ARE NEVER MONOTONOUS - INFINITELY VERIED IN FORM AND COLOUR THEY ARE SUCH AS AN ARTIST MIGHT PICTURE IN HIS DREAMS."

(LAWRENCE IN " THE VALLEY OF KASHMIR"
PAGE 14 1st EDITION)

یہ برف پوش سر بہ فلک سی پہاڑیاں
تا دُور بکھری بکھری یہ شاداب جھاڑیاں

صرف یہاں کے طویل اور خوبصورت پہاڑ ہی نہیں بلکہ قدرت کے اِس حسین اور دلفریب شاہکار کا ہر گوشہ حُسن کی دولت سے مالامال ہے۔ صاف و شفاف پانی کے چشمے ہوں یا پہاڑوں کی بلندیوں پر اُچھل کود کرنے والے جھرنے، حسین پھولوں سے سجی سجائی وادیاں ہوں یا پہاڑوں کی چھاؤں میں پلنے والے خوبصورت باغات، حسین و جمیل " دیودار" ہوں یا میٹھے سایہ دار قدآور چنار، ڈل کا حُسنِ شوخ ہو یا پُرمست جھیلوں کا نیلگوں پانی، ہر طرف حُسنِ لازوال ہے۔

کشمیر تیرا جلوۂ رنگین ہے لازوال
دُنیائے رنگ و بُو میں کہاں ہے تری مِثال
کشمیر تیری اور ہی کچھ آن بان ہے
بے شُبہ تو زمین پر جنّت نشان ہے

کشمیر سے مُتعلق اُردو شاعری عام اُردو شاعری کی طرح تین حِصوں میں بانٹی جا سکتی ہے۔

۱۔ جدید دور سے پہلے
۲۔ جدید دور اور
۳۔ دورِ حاضر

جدید دور سے پہلے :۔ یوں تو اِس دور سے پہلے بھی اِس جنّت نشان وادی نے فارسی کے علاوہ اُردو شاعری کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا ہے مگر اُردو شعری ادب کا ذخیرہ اِتنا زیادہ ہے کہ بقولِ عابد مناوری " اگر کوئی شخص کشمیر سے متعلق لکھی نظمیں یکجا کرنے کی پوری ایمانداری سے بھی کوشش کرے گا تو بھی وہ اِس کارِ نیک کے لئے تمام عُمر جد و جُہد کرنے کے بعد بھی سو فیصدی کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔"

میری نظروں سے باوجُودِ بہت کوشش کے بھی کوئی ایسی کِتاب نہیں گُذری جِس سے اِستفادہ کیا جا سکے۔ مناظرِ قدرت سے متعلق جو بھی کتابیں چھپی ہیں اُن میں کشمیر سے متعلق بہت کم نظمیں چھپی ہیں اور وہی نظمیں چھپی ہیں جو جدید دور میں کہی گئی ہیں۔ جدید دور سے پہلے کی نظموں کی نِشانی چند اِکا دُکا شعروں کے سِوا اور کُچھ بھی نہیں تاہم اِس دور سے قبل کشمیر پر نظمیں ضرور لکھی گئی ہوں گی۔ چونکہ اِس دور کا مواد ہمارے پاس موجود نہیں ہے اِسلئے اِس دور کی شاعری پر بحث کرنا قطعاً مُناسب نہیں ہے۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کچھ قصیدوں اور نظموں میں کشمیر کے حسن کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ یہ بات سودا۔ ناسخ وغیرہ کے اُن اشعار سے عیاں ہوتی ہے جس کی ذکر ہم نے پہلے کی ہے۔

جدید دور :۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد نہ صرف ہندوستان کی سیاسی اور سماجی زندگی میں ایک اِنقلاب بپا ہوا بلکہ ادبی دُنیا میں بھی ایسی تبدیلیاں آئیں جن کی وجہ سے اُردو شاعری کو ایک نیا اور اچھوتا رُوپ ملا۔ انگریزی ادب سے روشناس ہوتے ہی اس کے گوناگوں اصنافِ شاعری سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈراما، مناظر اور مختلف عنوان کی کار آمد نظموں کی ابتدا ہوئی۔ اُردو شاعری کو اس اِنقلاب نے حُسن کی رسمی دُنیا سے نکال کر حقیقت کی دُنیا سے ہمکنار کیا۔ رفتہ رفتہ سیاسی مضامین نے بھی اُردو شاعری میں جگہ بنالی۔

اس دور کی سب سے پہلی نظم حالؔی کی "سیرِ کشمیر" ہے جس کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ حالؔی نے یہ نظم سُنی سُنائی باتوں کی بُنیاد پر نہیں بلکہ کشمیر کو دیکھ کر کہی ہے۔ یہ نظم صرف حسنِ کشمیر کی عکاس ہے اور اس چھوٹی نظم میں کشمیر کے اُس وقت کے کسی بھی معاشرتی پہلو کی طرف اشارہ نہیں ہے ؎

سبزہ و نسرین و گل کی سرزمین کہئے اسے
صفحۂ گیتی پہ یا خلد بریں کہئے اسے
فی المثل تختۂ زمرد کا ہے واں اک سبزہ زار
سایہ افگن اس طرح ہیں ہو بہو اُس پر چنار

جوں جوں بھارت میں آزادی کی جنگ تیز سے تیز تر ہونے لگی کشمیر میں بھی شخصی راج کے ظلم و بربریت کے خلاف آواز بلند ہو گئی۔ اب کے کشمیر پہلا جیسا کشمیر نہیں رہا تھا۔ بیرونی دنیا سے پہلے کی طرح کٹا ہوا نہیں تھا۔ اب بھارت کے ساتھ ساتھ کشمیر کا رابطہ بیرونی دنیا کے ساتھ قایم ہو چکا تھا اور کشمیر اپنے حُسن و جمال کے لئے دنیا بھر میں اپنا سکّہ جما چکا تھا۔ اس دور میں کشمیر پر کشمیر کے ہی ایک مایہ ناز سپوت پنڈت برج نرائن چکبست نے قلم اُٹھایا۔ آن کی نظم "کشمیر" جو ۱۸۹۸ء میں لکھی گئی گرچہ ایک خاص طبقے کے لئے مخصوص تھی مگر جن تو بندوں کا اس میں بعد میں اضافہ کیا گیا ہے وہ کشمیر اور اس کے حُسن خداداد کی تعریف میں کہے گئے ہیں ؎

پانی میں ہے چشموں کے اثر آبِ بقاء کا
ہر نخل پہ عالم خضر سبز بقاء کا
جو پھول ہے گلشن میں وہ ہے نور خدا کا
سائے میں شجر کے ہے اثر ظلِ ہُما کا
مبدا کرمِ عام کی ہر جوئے رواں ہے
سرچشمۂ فیضِ چمن آرائے جہاں ہے

آگے چل کر حضرت علامہ اقبالؔ، اثرؔ، جوشؔ، حفیظ جالندھری، مجازؔ، اختر شیرانی، خوشی محمد ناظرؔ، علی سردار جعفری، کمال احمد صدیقی وغیرہ نے کشمیر کے حُسنِ ازلی کے علاوہ اس کے اور پہلوؤں پر بھی قلم اُٹھایا اور فرانسیس برونل (Francis Brunel) کے یہ الفاظ نہ صرف ماضی کے لئے بلکہ مستقبل کے لئے بھی صحیح ثابت ہوتے:

" it is NOT SURPRISING THEREFORE THAT OVER

THE COURSE OF CENTURIES, LOVERS AND POETS HAVE NEVER CEESED TO SUBMIT TO THEIR FACINATION."

مگر اب اردو شاعری کشمیر کے پر لطف نظاروں سے صرف لُطف اندوز نہیں ہوئی تھی بلکہ کشمیریوں کی مفلسی، بے چارہ گی، کشمیریوں پر ڈھائے جانے والے مظالم اور استحصال سے پیچ اُٹھنے لگی اب اُردو شاعروں کو کشمیر صرف جنّت دکھائی نہیں دیتا تھا جہاں لوگ سیر و تفریح کرنے، خوشیاں منانے اور غم غلط کرنے کے لئے آتے ہیں ؎

عام شاعر کہہ گئے کشمیر کو جنّت نشاں!
ورنہ جنّت میں یہ حُسن و رنگ شادابی کہاں
کیا ہے جنّت چند حوریں اک چمن دو ندیاں
خیر زاہد کی رعایت سے یہ کہتا ہوں کہ ہاں
عالم بالا پہ ہے پرتو اسی کشمیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

اب شاعروں کو کشمیر اور کشمیریوں کی اُس حالتِ زار پر نظر پڑی جو صدیوں کی غلامی اور استحصال کا نتیجہ تھا۔ جو جاگیردارانہ اور شخصی راج کی اُس بربریت کا شاخسانہ تھا جس نے غریب کشمیریوں کو اپنے تیز پنجوں میں دبوچ لیا تھا۔ حفیظ جالندھری جیسے اُردو شاعر نے کشمیریوں کی زندگی کے اُن اندھیرے پہلوؤں کو اُجاگر کرنا شروع کیا جہاں ابھی تک روشنی کی ایک کرن بھی نہ پہنچنے پائی تھی۔ وہ جب کشمیریوں کو دیکھتے ہیں تو اس جنّت رنگ و بو کے حقیقی مالکوں کی حالتِ زار پر رو اُٹھتے ہیں ؎

اک طرف مہمان خوش اوقات خوش دل خوش لباس
اک طرف ہے میزبان فاقہ زدہ تصویرِ یاس
اک طرف مے کا نشہ پھل کا مزہ پھولوں کی باس
اک طرف بے کیف مزدوروں کا حاصل بھوک پیاس
اک تماشائی ہے اک فرزند ہے کشمیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

اس طرح سے کشمیر کے متعلق شاعری قدرتی مناظر اور حُسن کے ساتھ ساتھ کشمیر کی اقتصادی سماجی، سیاسی اور دوسرے پہلوؤں کو بھی اُجاگر کرنے لگی۔ ادھر حفیظ کشمیریوں کی حالتِ زار پر رو رہے تھے تو اُدھر شاعرِ انقلاب جوشؔ نے کشمیری نوجوانوں کو اُن کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا شروع کیا وہ اُنہیں انقلاب کی ترغیب دینے لگے اور قوم پر مٹنے کی دعوت دینے لگے۔

اے جنتِ کشمیر کے بیدار جوانو — اے ہمتِ مردانہ کے ذی روح نشانو!
سو بات کی یہ بات ہے اس بات کو مانو — جینے کا جو ارمان ہے تو موت کو ٹھانو
بے غرق ہوئے کوئی ابھرتا ہی نہیں ہے
جو قوم پہ مرتا ہے وہ مرتا ہی نہیں ہے

آگے چل کر کہتے ہیں ؎

طوفان کو ٹھکراؤ ہواؤں کو بدل دو — دریاؤں کو روندو تو پہاڑوں کو کچل دو
مردانہ بڑھو موت کو پیغامِ اجل دو — پھولوں کی تمنا ہے تو کانٹوں کو مسل دو
تخریب کا جب تک کہ تلاطم نہیں آتا
تعمیر کے ہونٹوں پہ تبسم نہیں آتا

یہ وہ زمانہ تھا جب مظلوم کشمیری بیگار (جبری مزدوری) جیسے استحصال کا شکار تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کشمیری کسان سال بھر دھان کی فصل پر اپنا خون پسینہ ایک کرتا تھا مگر فصل تیار ہوتے ہی سنزاوُل (پولیس والے) اس کی سال بھر کی کمائی لوٹ لیتے تھے اور اس کے بچے بھوک اور افلاس کا شکار ہو جاتے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب کسان اپنا "ہل" بنانے کے لئے جنگل سے سوکھی لکڑی نہیں لا سکتا تھا ؎

آج وہ کشمیر ہے محکوم مجبور و فقیر ۔۔۔ کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر!
سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہِ سوزناک ۔۔۔ مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سلطان و امیر
کہہ رہا ہے داستان بے دردیٔ ایام کی ۔۔۔ کوہ کے دامن میں وہ غم خانۂ دہقانِ پیر
آہ یہ قومِ نجیب و چرب دست و تر دماغ ۔۔۔ ہے کہاں روزِ مکافات اے خدائے دیر گیر

سر فرانسیس ینگ ہسبنڈ کشمیری دیہاتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بس ایک خواہش ان دیہاتوں کے بارے میں ہمیں ضرور محسوس کرنی چاہئے وہ یہ کہ اس فطری حسن میں دیہی انگلستان کی صاف ستھری چھوٹی "کاٹجوں" یا سویزرلینڈ کے خوش نما شیلوں" سے اضافہ نہیں ہو سکتا۔ کوئی جب بھی کشمیری گاؤں دیکھتا ہے اور اس پر فطرت کی نچھاور کی ہوئی دلفریبی کو دل دے بیٹھتا ہے تو اس کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ آدمیوں، گھروں، اور کپڑوں کی گندگی، پھوہڑپن، غلاظت دور کی جائے اور فطرت نے انسان کے لئے جو کچھ کیا ہے انسان اُس کے ساتھ انصاف کرے۔"

سر ینگ ہسبنڈ چونکہ باہر سے آئے ایک انگریز تھے اس لئے انہیں کیا معلوم تھا کہ کشمیری عوام کن مصائب سے دوچار ہیں۔ گھروں اور کپڑوں کی گندگی اور غلاظت جب ہی دور کی جا سکتی ہے جب آدمی خوشحا

ہو، اُس کے پاس اپنے آپ کو سنبھالنے کا وقت ہو اور اس سے حیوانوں کی طرح وہ کام نہ لئے جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف ہوں۔ سرہنگ نے غلام کشمیر کو دیکھا ہے انہوں نے انتشار اور ذہنی خلفشار کا دور دیکھا ہے وہ دور جس میں کسی شاعر نے کشمیری عورتوں کے خوبصورت چہروں پر چھائی ویرانی دیکھ کر کہا تھا ؎

حسن کو چاہیئے انداز و ادا ناز و نمک!
کیا ہوا اگر ہوئے گوروں کی طرح گال سفید

لیکن یہ سب چیزیں ان مُفلس عورتوں کے پاس کہاں سے آئیں جن کے پاس شام کو کھانے کے لئے دو سوکھی روٹیاں نہ ہوں وہ لوگ ناز و ادا کا خیال کہاں سے کریں۔ سرہنگ ہسبنڈ کا جواب حفیظ جالندھری کے ان اشعار میں واضح ہے ؎

جس کی محنت سے چمن میں روئے گل پُرخندہ ہے
اس کا گھر تاریک اُس کا اپنا منظر گندہ ہے
نقشِ صناعی کا جس کے لوحِ دل پر کندہ ہے
اس کی مجبوری کو دیکھو بندگی کا بندہ ہے
سانس لینے میں بھی اس کو خوف ہے تعزیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

بھارت کے ساتھ ساتھ جب کشمیر بھی شخصی راج کے شکنجوں سے آزاد ہوا تو یہاں بھی جس طرح غلام لوگوں کو ایک نئی زندگی ملی اس طرح شعر و شاعری کی محفلوں

کو بھی ایک نئی تازگی عطا ہو گئی۔ اور بھارت کا ہر چھوٹا بڑا شاعر کشمیر آنے لگا۔ اب حالات بدل چکے تھے۔ غلامی کے دور کا خاتمہ ہوا تھا اور تعمیر و ترقی کا نیا دور شروع ہوا۔

تعمیر و ترقی نے عجب رنگ دکھایا
اب خلد بھی ہے گلشنِ کشمیر کا سایہ
ہر شعبہ میں کشمیر نے کی ہے وہ ترقی
ہر ذرہ اُڑاتا ہے ہنسی شمس و قمر کا

اس طرح حسنِ کشمیر کے علاوہ شاعروں نے یہاں کے دیگر پہلوؤں کی طرف بھی نظر کی اور پھر اُن کا تخیل خوبصورت نظموں اور اشعار کی صورت میں ہمارے سامنے آیا۔
زیرِ نظر کتاب انہی نظموں اور اشعار کا ایک انتخاب ہے ؎

کشمیر اور جنتِ ارضی غلط غلط!
جنت تو ایک خوابِ پریشان ہے آجکل

یہ کتاب اب پایۂ تکمیل کو پہنچی مگر اس کتاب کو اتنی جلدی مکمل کرنے میں جن دوستوں اور رفیقوں نے میری معاونت کی اُن کا نام لینا اور اُن کا شکریہ کرنا میں باعثِ فخر بھی سمجھتا ہوں اور ضروری بھی۔ اس سلسلے میں پہلا نام جناب موتی لال ساقی ہے۔ ساقی صاحب نے قدم قدم پر میری رہنمائی اور معاونت کی۔ ان کے علاوہ جناب رفیق راز، خالد بشیر، رفیق ہمراز، جاوید آذر، جناب سجاد حسین، وجیہہ احمد اندرابی، فاروق آفاق، وجے ساقی ولی خوش باش، شفیق منظر، محمد ادریس اور جناب مجید مضمر نے اس کتاب کو مکمل کرنے میں

میرا ہاتھ بٹایا میں ان سب حضرات کا بے حد ممنون ہوں۔

اس کتاب کو مرتب کرنے کے سلسلے میں جن کتابوں اور رسائل سے میں نے خاص طور استفادہ کیا اُن میں سر ینگ ہسبنڈ کی کتاب "کشمیر" لارنس کی کتاب "دی ویلی آف کشمیر" پروفیسر عبدالقادر سروری کی کتاب "کشمیر میں اُردو" پرتھوی ناتھ کول بامزئی کی کتاب "اے ہسٹری آف کشمیر" عابد مناوری کی "جنتِ کشمیر" پرانے رسائل میں "کشمیر" "گلریز" وغیرہ۔ اور نئے رسائل میں "تعمیر" "شیرازہ" اور "آجکل" قابل ذکر ہیں۔ ساتھ ہی میں دلی ڈسٹرکٹ لائبریری، کشمیر یونیورسٹی لائبریری، اور آرکائیوز (ARCHIVES) لائبریری کے عملے اور حکام کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے میری مدد کی۔

بشیر اطہر

سیرِ کشمیر

الطاف حُسین حالیؔ

سبزۂ و نسرین و گُل کی سرزمین کہیئے اِسے
صفحۂ گیتی پہ یا خُلدِ برین کہیئے اِسے
فی المثل تختۂ زمرد کا ہے واں اک سبزہ زار
سایہ افگن اِس طرح ہیں ہو بہو اُس پر چنار
جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر
زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار
تھی بنانے سے غرض تیرے یہ اے باغِ نسیم
باغِ جنّت کا اِنسان کو رہے کچھ اِنتظار
چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئی
جا بجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جِن پہرہ دار

اِن کی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ اِنتہا !
سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائیں گے پار !
روزِ روشن میں جب اُن کا جھیل پر پڑتا ہے عکس
نقرئی پانی کی اُس کے پھر کوئی دیکھے بہار

•

جنّت اے کشمیر کوئی تجھ سی دُنیا میں نہیں
تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں
ہر چمن یاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے
ہر چمن میں یاں مُہیا ہیں مکان بہرِ مکیں

•

چناروں کی چھاؤں میں

اختر شیرانی

کشمیر کی حسین بہاروں کی چھاؤں میں
شمشاد و سرو و گُل کی قطاروں کی چھاؤں میں
شاخ و شجر کے زمزمہ زاروں کی چھاؤں میں
بدلی سے جھانکتے ہوئے تاروں کی چھاؤں میں
آ مر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں

اُمیدِ وصل ایک فریبِ خیال ہے
یہ دلنشین خلش خلشِ بے مآل ہے
اِس زندگی میں ساتھ رہیں ہم محال ہے
سفاک بے نوا ستاروں کی چھاؤں میں
آ مر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں

چھایا ہوا ہے ابر ہوا خوشگوار ہے
موسم ہے بے خودی ہے چمن ہے بہار ہے
اِک آخری خوشی کا فقط اِنتظار ہے
سرو گُل و سمن کے نظاروں کی چھاؤں میں
آمر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں

اچھے بُرے زمانے کا اب اِنتظار کیا
ہم غم زدوں کے حق میں خزاں کیا بہار کیا
ہاں اعتبارِ ہستیٔ بے اعتبار کیا
اُمیدِ حسن غم کے شراروں کی چھاؤں میں
آمر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں

کہتے ہیں پُر سکوں ہے بہت محفلِ عدم
آزادیٔ کشاکشِ غم حاصلِ عدم
آ چل پڑیں جہاں سے سوئے منزلِ عدم
اِس کہکشاں کی راہ گزاروں کی چھاؤں میں
آمر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں

اِس خاکداں سے دُور ہے اِک خاکدان نیا
دُنیا نئی، زمین نئی آسمان نیا

چھوڑ اِس جہاں کو چل کے بسائیں جہاں نیا
پروین و مُشتری کے دیاروں کی چھاؤں میں
آمر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں
زہر آبۂ فراق کا پینا نہیں قبول
تیرے بغیر بادہ و مینا نہیں قبول
دُوری کے صدمے جھیل کے جینا نہیں قبول
مرنا قبول ہم کو بہاروں کی چھاؤں میں
آمر رہیں حسین چناروں کی چھاؤں میں

بہارِ کشمیر

برج موہن دتاتریہ کیفی

سرنگوں کب تک رہو گے رنج اور افکار میں
آؤ تم کو لے چلیں اِک پُرفضا گُل زار میں
ہے یہ وہ گلشن ہے بُلبل جس کی ہر اہلِ نظر
ہے ثنا جس کی برابر یار اور اغیار میں
طبعِ شاعر کی روانی کی دکھاتی ہے ادا
ہے وفورِ جوشش اِتنا نہر و جوئے بار میں
چشمے سر جیون ہیں ایسے جن پہ کوثر ہو نثار
چشمِ گردوں نے بھی دیکھے ہوں نہ اس سنسار میں
آنکھ جب اس پہ پڑی جنت نظر سے گر گئی
ایسی کب ہونگی بہاریں سورگ کے گُل زار میں

ہے ہتک کشمیر کی کہنا اسے جنّت نظیر
سامنے آنکھوں کے یہ وہ بس دلِ احرار میں
لالہ و ریحاں سمن اور گُل اگر ہیں باغ میں
بن بہار اور بوئے کستوری بسی کہسار میں
حُسنِ فطرت کے مناظر صحت افزا اِس قدر
ہے مرض مفقود چشمِ نرگسِ بیمار میں
برمحل ہے گر نسیم باغ ہے جلوہ فروش
سبزے کی لپٹیں کہاں ہیں نافۂ تاتار میں
تُم نہ پاؤ گے کہیں جو ہے یہاں جوشِ نمو
پھوٹتی کونپل ہے چوبِ دشنۂ نجّار میں
ہے لبِ آب ایک گُلشن اور ہے اِک زیرِ آب
ڈل بھی لاثانی ہے دُنیا کے دیارا مصار میں
مارتا ہے کیا سفیدہ آبِ دُر کو ٹھوکریں
روندے جاتے ہیں گہر اِس بزمِ گوہربار میں
دستِ افشاں ہے چنار اِس درجہ ہے جوش و نشاط
ہے بھرا خونِ حنا یا قوتِ دست افشار میں
برف کی یہ چوٹیاں الماس کے سرپیچ ہیں
ان بزرگوں کو ملے قدرت کے جو دربار میں

ایک سے اِک بڑھ کے ملتے ہیں مناظرِ دِلفریب
دیکھو وادی میں جدھر جاؤ جہاں کُہسار میں
پھول ہیں چشمے ہیں میوؤں کے شجر اور مُرغزار
چپّہ چپّہ دب رہا ہے لُطف حق کے بار میں
نیچر اِس دریا دلی سے یہ خزانے بے بہا
کیا نچھاور کر رہی ہے وادی و کُہسار میں
قدرتِ حق صنعتِ اِنسان سے ہے شیر و شکر
کھول کر آنکھیں ذرا دیکھو تو شالامار میں
گُلشنِ کشمیر کے اوصاف قابِض دِل پہ ہیں
ہو سکیں کیوں کر بیان کیفی وہ چند اشعار میں

شالہ مار باغِ کشمیر

جسٹس شاہ دین ہمایوں

اے باغ! لوگ کہتے ہیں تم شالہ مار ہو
اور عظمتِ گذشتہ کی اک یادگار ہو
کیا تم ہی زندہ ناموں کے باعث ہو نامور
کیا تم ہی مُردہ سلطنتوں کے مزار ہو
کہتے ہیں تم سے کھلتے ہیں رازِ دروں کے پیچ
تم اک کلیدِ قفلِ در روزگار ہو!
ہاں کچھ بتاؤ اگلے زمانے کی کیفیت
تم واقعاتِ دہر کے نامہ نگار ہو
خاموش کیوں ہو کچھ تو کہو اپنی داستاں
کس سترِ سر بہ مُہر کے تم رازدار ہو
فوّارہ کی زباں سے کہو کچھ تو اپنا حال
کیوں روتے زار زار تم اے آبشار ہو

اور تم بتاؤ پانی کی نہرو! کہ کس لئے
مضطر ہو پیچ کھاتی ہو اور بے قرار ہو
کب سے جلا رہا ہے یہ سوزِ دروں تمہیں
دل دادہ کس کی یاد میں تم اے چنار ہو
ہاں اے مسافر ایسے سوالوں سے فائدہ
زخموں پہ کیوں چھڑکتے نمک بار بار ہو
واقف ہو حالِ زار سے پھر پوچھتے ہو حال
تم بھی عجب طرح کے تجاہل شعار ہو
کیا کہیئے آہ اپنی حالت ہے پوچھ لو!
پیرِ فلک سے گر نہ تمہیں اعتبار ہو
وہ دن بھی تھے کہ تازہ ہی رہتے تھے یہ چمن
کشمیر میں خزاں ہو کہ فصلِ بہار ہو
نورِ جہاں جو حسن میں پتلی تھی نور کی
اور قد میں جیسے سروِ لبِ جوئبار ہو
آ کر یہاں جماتی تھی وہ دلفریب رنگ
قربان جس پہ جان سے سو لالہ زار ہو
اور آنا اُس کے ساتھ شہنشہِ پرست کا
جس کی نگہ سے چشمِ طرب میں خمار ہو

سامانِ عیش اور وہ عشرت کی محفلیں
وہ راتیں جن پہ روزِ درخشاں نثار ہو
کہہ دو تمہیں کہ جس نے گذارے ہوں ایسے دن
اب کیوں نہ اُن کی یاد میں وہ دِلفگار ہو
یہ گُل جو دیکھتے ہو وہ سینے کے داغ ہیں
دِل کی بتائیں ہم جو کوئی غم گُسار ہو
اِس اِنقلابِ دہر نے پامال کر دیا
خاک اپنی اب تو کاش فنا کا غُبار ہو
اِن اشکباریوں کا تمہاری اثر ہو خاک
سچ تو یہ ہے اگرچہ تمہیں ناگوار ہو
ظالم ہے سنگدل ہے یہ تہذیب جس کو آج
تم سمجھے خاصِ رحمتِ پروردگار ہو
چاندی کا اِس کا جسم سونے کا اس کا دِل
اِس ناک میں نگہ کہ گہر کا شکار ہو
کانوں پر اس کی آنکھ ملزّات پر نظر
دُھن ہے یہی کہ بھاپ ہو بجلی ہو تار ہو
لیکن کہیں جو قسمتِ بد سے رہی سہی
اگلے زمانے کی کوئی یادگار ہو!

ہوتی نہیں ہے بھُول کے بھی اُس طرف نگاہ
پھر جائے گر مفاد کا کچھُ اعتبار ہو
پھولوں سے دِل ہمارا نہ کیونکر ہو داغ داغ
بدتر خزاں سے کیوں نہ ہماری بہار ہو
تہذیب اور زمانے کی ہو جب کہ یہ روش
چشمِ کرم کا کیا کوئی اُمیدوار ہو
بے تاب کیوں ہے سُن کے ہمایوں یہ داستان
جنت میں آکے کیوں کوئی یوں اشکبار ہو؟
محوِ خیال کیوں ہے؟ ذرا آنکھ تو اُٹھا
دیکھ اور محوِ صنعتِ پروردگار ہو
منظر نہیں یہ شانِ خُدا کا ظہور ہے
پانی کو چوُم کوہ سے بے ہم کنار ہو
لہروں میں بادلوں میں ہوائیں پہاڑ میں
وہ رُوح ہے کہ جاں تری اُس پر نثار ہو
دل چاہتا ہے اچھا ہو مسکن نسیم باغ
مر جائیے تو ڈل کے کنارے مزار ہو
سو جائیں ایک پتے کا سینے پہ رکھ کے ہاتھ
مدفن دِلِ تپاں کا جو زیرِ چنار ہو
ناظرؔ بڑا مزا ہو جو اقبال ساتھ دے
ہر سال ہم ہوں شیخ ہو اور شالامار ہو

پانی میں

خوشی محمد ناظر

اللہ اللہ ہے کیا حُسنِ چمن پانی میں
سبزہ و لالہ و گُل سرو سمن پانی میں
کیسے کیسے ہیں دِل افروز نظارے اِس میں
کوہ پانی میں، چمن پانی میں، بن پانی میں
تو وہ سیم ہے ڈل کے خزانے میں نہاں
برفِ کہسار ہے یا عکسِ فلگن پانی میں
اک طرف کوہ پہ ہے تختِ سلیماں قایم
اک طرف سبز پری کا ہے وطن پانی میں
جلوۂ برف سے ہے نور کا عالم شب کو
طورِ منظر ہے "مہاراج بھون" پانی میں

عشق پیچاں ہے اِدھر اور گُلِ ریحاں ہے اُدھر
ہے یہ منصور تو وہ دار و رسن پانی میں
آبِ ڈل حسنِ لطافت میں ہے گر آبِ حیات
صورتِ خضر ہے ہر شاخِ سمن پانی میں
ایک طرف پھول کنول کا ہے سجیلا بانکا
مسکراتا ہے کھڑا غنچہ دہن پانی میں
نیل گوں ڈل میں وہ کنول کے قبائے گُل رنگ
حُسن کی آگ ہوئی شعلہ فگن پانی میں
اِس کے پتّوں پہ ہیں شبنم کے چمکتے قطرے
سبز تھالوں میں یا دُرِ عدن پانی میں
مچلتی رہتی ہیں جس طرح کسی شوخ کی آنکھ
کھیلتی پھرتی ہے سورج کی کرن پانی میں
سطح پر ڈل کے نظر آتا ہے فوّارۂ سیم
عکسِ مہتاب ہو جب جلوہ فگن پانی میں
آسماں گو ہے وہی چاند ستارے بھی وہی
روپ بھرتا ہے نیا چرخِ کہن پانی میں
ہیں شکارے میں سبہ چشم بتانِ کشمیر
یا اُترتے ہیں غزالانِ ختن پانی میں

عکسِ مہتاب کا تالاب میں ہے جلوہ فگن
یا نہاتا ہے کوئی سیم بدن پانی میں
ہیں شکاروں کی قطاروں میں مغنیٔ سرخوش
یا دف و چنگ و مزامیر فگن پانی میں
ذکرِ تسبیح میں اِس ایک طرف حضرتِ شیخ
برہمن گاتے ہیں اِک سمت بھجن پانی میں
ڈل سے کہتے ہیں بہت چاہنے والے اِسکے
ترے عشّاق کا ہو گور و کفن پانی میں
بزمِ ناظرؔ کی بھی مستانہ نوائیں سُن کر
رقص کرتے تھے کبھی اہلِ سخن پانی میں
مُغتنم صُحبتِ احباب ہے ڈل میں ناظرؔ
غرق کر کشتیٔ افکار و محن پانی میں
آبِ ڈل کی ہے وہ گُل ریز نواخیز فضا
بُلبُلیں بن گئی ہیں زاغ و زغن پانی میں
لبِ ڈل آپ بھی کاشانہ بسالیں ناظرؔ
موسمِ گُل میں رہے لُطفِ سُخن پانی میں

مُلّازادہ ضیغم لولابی کشمیری

اقبالؔ

پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
مُرغانِ سحر تیری فضاؤں میں ہیں بیتاب
اے وادیٔ لولاب

گر صاحبِ ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب
دیں بندۂ مومن کے لئے موت ہے یا خواب
اے وادیٔ لولاب

ہیں ساز پہ موقوف نواہائے جِگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بے کار ہے مضراب
اے وادیٔ لولاب

مُلّا کی نظر نُورِ فراست سے ہے خالی
بے سوز ہے مَے خانۂ صُوفی کی مئے ناب
اے وادیٔ لولاب

بیدار ہوں دِل جس کی فغانِ سحری سے
اُس قوم میں مُدّت سے وہ درویش ہے نایاب
اے وادئ لولاب

۲

موت ہے اِک سخت تر جس کا غلامی ہے نام
فکر و فنِ خواجگی کاش سمجھتا غلام
شرعِ ملوکانہ میں جدّتِ احکام دیکھ
صوُر کا غوغا حلالِ حشر کی لذت حرام
اے کہ غُلامی سے ہے رُوح تری مُضمحل
سینۂ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام

۳

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر
سینۂ افلاک سے اُٹھتی ہے آہِ سوزناک
مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سُلطان و امیر
کہہ رہا ہے داستان بیدردئ ایام کی
کوہ کے دامن میں وہ غم خانۂ دہقان پیر
آہ یہ قومِ نجیب و چرب دست و تر دماغ
ہے کہاں روزِ مکافات اے خُدائے دیرگیر؟

۴

گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو
تھرتھراتا ہے جہانِ چارسُو و رنگ و بُو
پاک ہوتا ہے ظن و تخمیں سے انساں کا ضمیر
کرتا ہے ہر راہ کو روشن چراغِ آرزو
وہ پُرانے چاک، جن کو عقل سی سکتی نہیں
عشق سیتا ہے اِنہیں بے سوزن و تارِ رفو
ضربتِ پیہم سے ہو جاتا ہے آخر پاش پاش
حاکمیّت کا بُتِ سنگیں دِل و آئینہ رُو

۵

درّاج کی پرواز میں ہے شوکتِ شاہیں!
حیرت میں ہے صیّاد یہ شاہیں ہے کہ درّاج
ہر قوم کے افکار میں پیدا ہے تلاطُم
مشرق میں ہے فردائے قیامت کی نمُود آج
فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشر پہ مجبُور
وہ مُردہ کہ تھا بانگِ سرافیل کا محتاج

۶

رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
ہر چند کہ مشہور نہیں اِن کے کرامات
خود گیری و خودداری و گلبانگ "انا الحق"
آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اُس کے مقامات
محکوم ہو سالک تو یہی اس کا "ہمہ اوست"
خود مردہ و خود مرقد و خود مرگِ مفاجات

۷

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری[ع]
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دینِ اَدب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی اُمتوں کا عالمِ پیری
شیاطینِ ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری
چہ بے پروا گذشتند از نوائے صُبحگاہِ من
کہ برد آں شور و مستی از سیہ چشمانِ کشمیری؟

۸

سمجھا لہو کی بوند اگر تو اُسے تو خیر
دِل آدمی کا ہے فقط اِک جذبۂ بلند
گردش مہ و ستارہ کی ہے ناگوار اِسے
دِل آپ اپنے شام و سحر کا ہے نقشبند
جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند

۹

کھُلا جب چمن میں کتب خانۂ گُل
نہ کام آیا مُلّا کو علمِ کتابی
متانت شکن تھی ہوائے بہار اں
غزل خواں ہوا پیرکِ اندرابی
کہا لالۂ آتشیں پیرہن نے
کہ اسرارِ جاں کی ہوں میں بے حجابی
سمجھتا ہے جو موت خوابِ لحد کو
نہاں اُس کی تعمیر میں ہے خرابی
نہیں زندگی سلسلہ روز و شب کا
نہیں زندگی مستی و نیم خوابی

حیات است در آتشِ خود طپیدن
خوش آں دم کہ این نکتہ را بازیابی
اگر زِ آتشِ دِل شرارے بگیری
تواں کرد زیرِ فلک آفتابی

۱۰

آزاد کی رگِ سخت ہے مانندِ رگِ سنگ
محکوم کی رگِ نرم ہے مانندِ رگِ تاک
محکوم کا دِل مُردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دِل زندہ و پُرسوز و طرب ناک
آزاد کی دولت دِلِ روشن نفسِ گرم
محکوم کا سرمایہ فقط دیدۂ نم ناک
محکوم ہے بیگانۂ اِخلاص و مُروّت
ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
مُمکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہم دوش
وہ بندۂ افلاک ہے یہ خواجۂ افلاک

۱۱

تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ
کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ مَے خانہ

یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر واعظ نے
کہ خود حرم ہے چراغِ حرم کا پروانہ
طلسمِ بے خبری کافری و دیں داری
حدیثِ شیخ و برہمن فسون و افسانہ
نصیبِ خطہ ہو یارب وہ بندۂ درویش
کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلیمانہ[۴]
چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے کب تک
گہر ہیں آبِ وُلر کے تمام یک دانہ

١٢

دگرگوں جہاں اِن کے زورِ عمل سے
بڑے معرکے زندہ قوموں نے مارے
مُنجّم کی تقویمِ فردا ہے باطل
گرے آسماں سے پُرانے ستارے
ضمیرِ جہاں اِس قدر آتشیں ہے
کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے شرارے
زمیں کو فراغت نہیں زلزلوں سے
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے
ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے وُلر کے کنارے

۱۳

نِشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صُبح و شام بدلتی ہیں اُن کی تقدیریں

کمالِ صِدق و مروت ہے زِندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں

قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال
یہ اُمتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

خُودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے، باقی تمام تفسیریں

شکوہِ عید کا مُنکر نہیں ہوں میں لیکن
قبولِ حق ہیں فقط مردِ حُر کی تکبیریں

حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہلِ جنُوں کی تدبیریں

۱۴

چہ کافرانہ قمارِ حیات می بازی
کہ با زمانہ بسازی بخوُد نمی سازی

دِگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم
دِل جنید و نگاہِ غزالیؒ و رازی

بحکمِ مفتیٔ اعظم کہ فطرتِ ازلیست
بدین صعوہ حرام است کارِ شہبازی
ہماں فقیہ ازل گفت جود بہ شاہین را
بآسمان گردی یا زمین نہ پروازی
منم کہ توبہ نہ کردم ز فاش گوئی ہا
زِ بیمِ ایں کہ بسلطاں کنند غمازی
بدستِ ما نہ سمرقند و نے بخارا ایست
دعا بگو زِ فقیراں بہ ترکِ شیرازی

۱۵

ضمیرِ مغرب ہے تاجرانہ، ضمیرِ مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ
کنارِ دریا خضر نے مجھ سے کہا باندازِ محرمانہ
سکندری ہو، قلندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحرانہ
حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ خانقاہی
انہیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شق نہ ہو سنگِ آستانہ
غلام قوموں کے علم و عرفاں کی ہے یہی رمزِ آشنا را
زمیں اگر تنگ ہے تو کیا ہے فضائے گردوں ہے بیکرانہ
خبر نہیں کیا ہے نام اسکا، خدا فریبی کہ خود فریبی؟
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ
مری اسیری پہ شاخِ گل نے یہ کہہ کے صیاد کو رلایا
کہ ایسے پُرسوز نغمہ خواں کا گراں نہ تھا مجھ پہ آشیانہ

۱۶

حاجت نہیں اے خطۂ گل شرح و بیاں کی
تصویر ہمارے دلِ پُرخوں کی ہے لالہ

۷۹

تقدیر ہے اِک نام مکافاتِ عمل کا
دیتے ہیں یہ پیغام خدایانِ ہمالہ
سرما کی ہواؤں میں ہے عریاں بدن اس کا
دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دوشالہ
اُمید نہ رکھ دولتِ دُنیا سے وفا کی
رام اس کی طبیعت میں ہے مانندِ غزالہ

۱۷

خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
حرام آتی ہے اُس مردِ مجاہد پر زرہ پوشی

۱۸

آں عزمِ بلند آور آں سوزِ جگر آور
شمشیرِ پدر خواہی بازوئے پدر آور

۱۹

غریبِ شہر ہوں میں سُن تو لے مری فریاد
کہ تیرے سینے میں بھی ہوں قیامتیں آباد
مری نوائے غم آلود ہے متاعِ عزیز
جہاں میں عام نہیں دولتِ دلِ ناشاد
گِلہ ہے مجھ کو زمانے کی کور ذوقی سے
سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فرہاد
"صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد دگر است"
خبر بگیر کہ آوازِ تیشہ و جگر است"

قطعاتِ اقبال

کہکشاں میں آ کے اختر مِل گئے
اِک لڑی میں آ کے گوہر مِل گئے
واہ! وا کیا محفلِ احباب ہے
ہم وطن غربت میں آ کے مِل گئے

۲

ظلم سہتے ہیں وطن اپنا نہ جن سے چھُٹ سکا
شکوہ اُن حکام پر اے دِل نہیں تیرا بجا
کیا عجب کشمیر میں رہ کر جو ہے اُن پر جفا
پائے گُل اندر چمن دائم بُر است از خار ہا

۳

موتی عدن سے لعل ہُوا ہے یمن سے دُور
یا نافۂ غزال ہوا ہے ختن سے دُور
ہندوستاں میں آئے ہیں کشمیر چھوڑ کر
بُلبل نے آشیانہ بنایا چمن سے دُور

سو ندا بیر کی اے قوم ہے یہ اِک تدبیر
چشمِ اغیار میں بڑھتی ہے اِسی سے توقیر
دُرِّ مطلب ہے اخوّت کی صدف میں پنہاں
مِل کے دُنیا میں رہو مثلِ حروفِ کشمیر

۵

سامنے ایسے گلستان کے کبھی گر نکلے
عیبِ خجلت سے سرِ طور نہ باہر نکلے
ہے جو ہر لحظہ تجلی گہِ مولای جلیل
عرش و کشمیر کے اعداد برابر نکلے

۶

پنجۂ ظلم و جہالت نے بُرا حال کیا
بن کے مقراض ہمیں بے پر و بال کیا
توڑ اُس دستِ جفا کیش کو یارب جس نے
رُوحِ آزادئ کشمیر کو پامال کیا

بُت پرستی کو مرے پیش لاتی ہے
یادِ ایامِ گزشتہ مجھے شرماتی ہے
ہے جو پیشانی پہ اسلام کا ٹیکا اقبال
کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے

کشمیر کا چمن جو مجھے دلپذیر ہے
اُس باغِ جاں فزا کا یہ بُلبلِ اسیر ہے
ورثے میں ہم کو آئی ہے آدم کی جائیداد
جو ہے وطن ہمارا وہ جنّت نظیر ہے!

قطعات

فانیؔ بدایونی

اس باغ میں جو کلی نظر آتی ہے
تصویر فسردگی نظر آتی ہے
کشمیر میں ہر حسین صورت فانیؔ
مٹی میں ملی ہوئی نظر آتی ہے

○

کشمیر میں حالِ اہلِ کشمیر تو دیکھ
ہر پاؤں میں افلاس کی زنجیر تو دیکھ
سمجھے ہم کیا تھے، دیکھتے ہم کیا ہیں
کشمیر کے خواب اپنی تعبیر تو دیکھ

○

پھولوں کی نظر نواز رنگت دیکھی
مخلوق کی دل گداز حالت دیکھی
قدرت کا کرشمہ نظر آیا کشمیر
دوزخ میں سموئی ہوئی جنت دیکھی

●

جنّتِ ارضی

سیمابؔ اکبرآبادی

میں نے کل تاج سے پوچھا کہ مرے دُرِّ یتیم!
تُجھے سب کرتے ہیں فردوسِ محبت تسلیم
تُو کہ گلدستۂ صد رنگ ہے مجموعۂ کیف
تُجھ میں موجود ہیں سب کوثر و خلد و نسیم
ایک جنّت ہے مگر اور بنام "کشمیر"
مرکزِ رنگ و نوا جس کے خیابانِ عظیم
جسے فطرت نے بنایا ہے خود اپنے ہی لئے
خود ہی کرتی ہے وہاں نشو و نُما کی تقسیم
جس کے ماحول میں گونجا ہوا اور غلغلہ ساز
اب بھی ہے طنطنۂ عظمتِ تاج و دیہیم

دامنِ ہند پہ ہوا جلوہ نُماؤ فردوس
اور پھر بھی نہ ہوا اربابِ وطن کی تنظیم؟
بے سکونی کبھی جنّت میں ہوا کرتی ہے!
آتش افروز بھی ہوتی ہے کہیں موجِ نسیم؟
اس کے اسباب جو کچھ ہوں تو بتا دے مُجھ کو
کہ ترا ذہن ہے محفوظۂ تاریخِ قدیم
ہو ترے لب سے اگر فاش یہ حال اچھا ہے

تاج بولا مرے شاعر! مجھے ہے یاد وہ دن
منعقد صبحِ ازل جب ہوئی بزمِ باطن
ایشیا کے لئے قسمت ہوئی رنگینیٔ خاص
"ہند" کو بہرہ ملا اس میں بحدِّ مُمکن
تاج و کشمیر ہی کیا اور لطائف ہیں ہزار
روحِ ہستی میں جو ہیں کیفِ بقا کے ضامن
مگر انسان نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی
بے حسی پھیل گئی مثلِ وبائے مُزمِن
بربریّت سے لیا کام غرض مندی نے
ہوئے مغرورِ بقا بزمِ فنا کے ساکن

رنگ و بُو بکنے لگے مادیت کے بدلے
گُل و لالہ سے ہوئی کیبسر بیری خسازن
ہوگیا سطوتِ آدم کا جہان میں نیلام
دِل بدستِ طرب و دستِ بدستِ راہن
اب سکوں اور مُسرت کی تمنّا بے سُود
اب ہیں مجبور یہاں فطرتِ حق کے ضامن
جسے "جنّت" تو سمجھتا ہے "جہنم" ہے وہ آج
ہمیں معلوم ہے "جنّت" کی حقیقت لیکن
"دِل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے"

کشمیر

برج نرائن چکبست

پانی میں ہے چشموں کے اثرِ آبِ بقا کا
ہر نخل پہ عالم خضرِ سبز قبا کا
جو پھول ہے گلشن میں وہ ہے نورِ خدا کا
سائے میں شجر کے ہے اثر ظلِ ہما کا
مبدا کرمِ عام کی ہر جوئے رواں ہے
سرچشمۂ فیضِ چمن آرائے جہاں ہے

وہ موجِ ہوا کا حرکت ابر کو دینا
چشموں سے پہاڑوں کے وہ اڑتا ہوا پھینا
گاتے ہوئے ملّاحوں کا وہ کشتیاں کھینا
ڈل کا وہ سرِ شام ادھر کروٹیں لینا
وہ عکس چراغوں کا جھلکتا نظر آنا
پانی کا ستارہ بھی چمکتا نظر آنا

ہر لالۂ کہسار ہے تشکیلِ گُلِ راحت
داغ اُسکے ہیں خالِ رُخِ حورائے مسرّت
کیا سبزۂ خوش رنگ ہے سرمایۂ عشرت
دِل کے لئے ٹھنڈک ہے جگر کے لئے فرحت
ایسا نہیں قدرت نے کیا فرش کہیں پر
اُس رنگ کا سبزہ ہی نہیں روئے زمیں پر
وہ صبح کو کوہسار کے پھولوں کا مہکنا
وہ جھاڑیوں کی آڑ میں چڑیوں کا چہکنا
گردوں پہ شفق کو وہ یہ لالے کا لہکنا
مستوں کی طرح ابر کے ٹکڑے کا بہکنا
ہر پھول کی جنبش سے عیاں ناز پری کا
چلنا وہ دبے پاؤں نسیم سحری کا
وہ طائرِ کہسار لبِ چشمۂ کہسار
وہ سرد ہوا وہ کرم ابرِ گہر بار
وہ میوۂ خوش رنگ وہ سرسبز چمن زار
اک آن میں صحت ہو جو برسوں کا ہو بیمار
یہ باغِ وطن روکشِ گلزارِ جناں ہے
سرمایۂ نازِ چمن آرائے جہاں ہے

وہ لخلخۂ سبز میں اِک نُور کا عالم
ہر شاخ و شجر پر ہے شجرِ طُور کا عالم
پروین ہے یہ خوشۂ انگور کا عالم
ہر خار پہ بھی ہے مژۂ حُور کا عالم
نکلے نہ صدا ایسی مُغنّی کے گلو سے
آتی ہے جو آوازِ ترنُّم لبِ جُو سے
میووں سے گرانبار وہ اشجار کے ڈالے
بکھرے ہوئے وہ دامنِ کُہسار پہ لالے
اُڑتے ہوئے بالائے ہوا برف کے چھالے
دیکھے جو کوئی دُور سے ہیں روئی کے گالے
وہ ابر کے لکّوں کا تماشہ شجروں میں
جھرنوں کی صدائیں وہ پہاڑوں کے دروں میں
چھُوٹے ہوئے اُس باغ کو گُذرا ہے زمانہ
تازہ ہے مگر اُس کی محبت کا فسانہ
عالم نے شرف جن کی بُزرگی کا ہے مانا
اُٹھتے تھے اِسی خاک سے وہ عالم و دانا
تن جن کا ہے پیوند اب اِس پاک زمین کا
رگ رگ میں ہماری ہے رواں خُون اُنہی کا

ہاں میں بھی ہوں بُلبل اُسی شاداب چمن کا
ہے چشمۂ فردوس یہ عالم ہے دہن کا
کِس طرح نہ سرسبز ہو گُلزار سُخن کا
ہے رنگ طبیعت میں چمن زار وطن کا
تازہ ہیں مضامین طبیعت بھی ہری ہے
ہاں گُلشنِ قومی کی ہوا سر میں بھری ہے

نیا کشمیر

جوشؔ ملسیانی

اے تماشائی بہت کچھ تو نے کی سیرِ جہاں
اب ذرا کشمیر میں آ کے نیا کشمیر دیکھ
اِس کے منظر چشمِ حیرت سے ہی دیکھے جائیں گے
عالمِ تصویر بن کر عالمِ تصویر دیکھ
غیریت کے طوقِ گردن کا ذرا نظارہ کر
مذہبی دیوانگی کے پاؤں میں زنجیر دیکھ
صحبتِ شیخ و برہمن پر نظر کر غور سے
آرتی کو ہمنوائے نعرۂ تکبیر دیکھ
چل رہی ہے برف میں جمہوریت پرور ہوا
اِس ہوا میں سانس لے کر گرمیٔ تاثیر دیکھ

ظُلمتوں میں بھی نظر آتے ہیں انوارِ سحر
یہ ضیاء، یہ روشنی، یہ تابش و تنویر دیکھ
یہ مناظر دیکھ کر تو چشمِ عبرت کھول دے
اس بہشتِ پُر فضا کی گردشِ تقدیر دیکھ
ایک مُدت سے ہے چشمِ غیر للچائی ہوئی
بے گناہی کی خطا معصوم کی تقصیر دیکھ
رنج و غم میں دیکھ اس کا حوصلہ اس کا جگر
آفتوں میں اس کے استقلال کی تصویر دیکھ
تُو نے ہر تعمیر میں تخریب دیکھی ہے مگر
اے تماشائی! یہاں تخریب میں تعمیر دیکھ

جعفر علی خاں اثرؔ

سرجوشئ نشاط کا سامان ہے آجکل
رنگینیوں نام گلستان ہے آجکل

کشمیر کی زمیں ہے کہ فطرت کا میکدہ
مستی بقدرِ لذّتِ عرفاں ہے آجکل

اس سرزمین کے ذرّوں کی تابندگی نہ پوچھ
خورشید ایک دیدۂ حیراں ہے آجکل

کشمیر اور جنّتِ ارضی غلط غلط
جنّت تو ایک خوابِ پریشاں ہے آجکل

ایک ایک پھول تابشِ انوارِ حُسن سے
صُبحِ بہارِ خُلد پہ خنداں ہے آجکل

طوبیٰ کہ جس کے سائے میں آباد ہے بہشت
وہ سایۂ پر چنار کے قرباں ہے آجکل
سدرہ کہ آشیانۂ رُوح القدُس بھی ہے
ایوان کا "سفیدوں" کے درباں ہے آجکل
اللہ رے یہ جوشش فراوانیٔ جمال !
جو گُل ہے صد بہار بداماں ہے آجکل
اُٹھی جدھر نگاہ تجلّی برس پڑی !
"یزداں شکار" ہمّتِ مرداں ہے آجکل
جیسے ہو ایک رات کی بیاہی ہوئی دُلہن
اِس طرز سے نسیم خراماں ہے آجکل
وہ سادگی کہ جس پہ لگاوٹ نثار ہو
اِس شان کا حسیں گُلِ ریحان ہے آجکل
ہے برگِ گُل پہ قطرۂ شبنم کا ارتعاش
یا ننھی سی پری کوئی رقصاں ہے آجکل
لے اُڑی نسیم بس اب لے اُڑی نسیم
تختہ چمن کا تختِ سلیماں ہے آجکل
تعلیم عاشقی کی ہوئی عام اِس قدر
ہر غنچے کی بغل میں گلستان ہے آجکل

فوارے گا رہے ہیں دھنک کے رباب پر
نہروں میں عکسِ گُل سے چراغاں ہے آجکل
غنچے بدن چرائے ہیں مسکی قباؤں میں!
مستی گلوں کی دست و گریباں ہے آجکل
خُنکی ہوئی ہوا ہے کہ مُرلی کرشن کی ہے
وادی کا گوشہ گوشہ غزلخواں ہے آجکل
پنچم میں گا رہا ہے ملار آبشار بھی
مل ناچیں سنگریزے یہ اِمکاں ہے آجکل
جھونکوں میں ہے ہواؤں کے گندھرب کا نکھار
اِک نغمہ برگ برگ میں لرزاں ہے آجکل
لغزشِ خرامیوں سے نسیمِ بہار کی
پُر گُل بساط دشت و بیاباں ہے آجکل

جھیلم

جعفر علی خان اثر

جھیلم کے دم صُبح وہ دِلچسپ نظارے
بلّوّر بہا جاتا ہے کرنوں کے سہارے
او پل کی طرح سطح پر رنگوں کا چھلکنا
یا آڑے آنچل کی حسینوں کے اِشارے
کھیتی کا وہ جُھک جُھک کے ہر اِک موج سے کہنا
چھاتی سے لگالوں اگر آجاؤ کنارے
احسان کا ہر چند صلہ ہو نہیں سکتا
جو پاس ہے میرے وہ ہے صدقے تمہارے
لہرائے سفیدوں کا اُدھر عکس لبِ آب
اور ناز سے ہلکورے اِدھر لینے شِکارے
وہ پیچ و خم و ساحل و امواج کا عالم
آئینے میں گیسو کوئی معشوق سنوارے

موجوں کو شرابور کیئے دیتی ہیں موجیں
قطرے ہیں کہ چھوٹی ہوئی افشاں کے ستارے

وہ لمحۂ پُر کیف حیاتِ ابدی ہے
انسان جو آغوش میں فطرت کے گُزارے

نالہ ہو کہ نغمہ ہو مزا دے کے رہے گا
جب سینے میں دم رُکنے لگے شوق کے مارے

کشمیر تیرے نام پہ کچھ نغمے لٹا کر
سُنتے ہیں آثر اپنے وطن آج سدھارے

کشمیر سے خطاب

تلوک چند محروم

صُورت گرِ ازل نے صُبحِ ازل دکھایا
اپنا کمالِ صنعت کرکے تجھے نُمایاں
تُجھ سا نظر نہ آیا دُنیا میں اور کوئی
گُل پوش گُل بداماں سرتا قدم گلستاں
اے انتخابِ عالم اے افتخارِ دوراں
اے وادیٔ گُل افشاں !

وہ نقش و ناز تُو ہے دُنیائے رنگ و بُو میں
بے رنگ جس سے رونق حُسنِ فرنگ کی ہے
دُنیا کے اہلِ ایماں کہتے ہیں جس کو جنّت
شرمندہ ہو کے تجھ سے روپوش ہو گئی ہے
ورنہ کہیں تو ہوتے آثارِ باغِ رضواں
اے وادیٔ گُل افشاں !

کِس کو نصیب ہو یوں اِس زندگی میں جنّت
جنّت کی زندگی ہے جینا فضا میں تیری
موجِ ہوا یہاں ہے رشکِ دمِ مسیحا!
عرفی نے سچ کہا تھا آب و ہوا میں تیری
مُرغِ کباب ہو کر ہو جائے مُرغِ پراں
اے وادیٔ گُل افشاں!

شاہوں کے قصر و ایوان اِس کو ترس رہے ہیں
جو فیضِ حُسنِ فطرت ہے تیرے جھونپڑوں میں
نورِ شمیِ دوشالے دُنیا کو دے رہا ہے!
تیرا جمالِ رنگین رخشاں ہے چیتھڑوں میں
دورِ خزاں بھی تیرا ہے رشکِ صد بہاراں
اے وادیٔ گُل افشاں!

•

دریا دِلی سے اپنی قدرت نے تجھ کو بخشے
یہ چشمہ ہائے سیمیں یہ آبشار تیرے
جانِ بہار تیرے باغات اور جنگل
بھرپور سیم و زر سے یہ کوہسار تیرے
کیا تجھ کو احتیاجِ ظلِ ہوس پناہاں
اے وادیٔ گُل افشاں!

•

نذرِ ہوس پناہاں اب ہونگے تیرے دشمن
عزمِ صمیم ہے یہ تیرے فدائیوں کا
اللہ کے کرم سے دِن پھر چکے ہیں تیرے
تجھ کو صِلہ ملے گا دردآشنائیوں کا
اِس پر تُلے ہوئے ہیں ہندو ہوں یا مسلماں
اے وادیٔ گُل افشاں!

•

گزری مصیبتوں پر یہ کہہ کے مطمئن ہو
سرمایۂ سعادت ہے دردمند ہونا
آئے ہیں خاتمے پر ایامِ ناسماعد
تقدیر میں تری ہے اب سربلند ہونا
دھو ڈال اپنے دل سے داغِ ملالِ حرماں
اے وادیٔ گُل افشاں!

محمدالدین فوقؔ

دیکھ کر کشمیر کے بہاروں کو
گُل و گُلشن کو گُلعذاروں کو
چشمے ہیں چشمہائے آبِ حیات
پوچھ لے جا کے راہگذاروں کو
ایسی گُل ریزیاں کہاں ہونگی
غور سے دیکھ مرغزاروں کو
رشکِ صد حُور سینکڑوں کو کہو
غیرتِ گُل کہو ہزاروں کو
پاک باطن کو ڈر نہیں کوئی
فوقؔ دیکھا کرو نظاروں کو

ایک کشمیری اور پنجابی کا مکالمہ

محمد الدین فوق

کھینچ کر اک آہ پنجابی نے حسرت سے کہا
ہر طرف نہریں رواں ہیں ہر طرف چشمے رواں
جاں بلب ہوتے ہیں جب گرمی سے ہم پنجاب میں
سیرِ ڈل کی اور وہ نظارہ ہائے دلفریب
جنتِ ارضی کی حسرت ہے دلِ دلگیر کو

کاش ہو میرے مقدر میں بھی جنت کی ہوا
رشکِ فصلِ گل وہاں کے سنتے ہیں فصلِ خزاں
چلتی ہیں ٹھنڈی ہوائیں خطۂ نایاب میں
جن کو سن کر ہاتھ سے جاتا ہے صبر و شکیب
اے ہوائے شوق اڑا لے چل مجھے کشمیر کو

○

چھیڑ کر غربت میں ذکرِ خطۂ کشمیر کیوں؟
بے خطا مارا ہے پردیسی کے دل پر تیر کیوں؟

○

خاک پاک خطۂ کشمیر ہے جنت مگر
خلد ہے کشمیر تو اس میں عذابِ نار کیوں
ایک تو بیگار لیں پھر اس پہ مزدوری نہ دیں
اس بہانے سے بہت ظلم و ستم ہے ملک پر
عام لوگوں کا وہاں کیا حال ہوگا سوچ لو
یہ تشدد کاش پہنچائے کوئی مہراج تک

قہر دوزخ کا نمونہ ہے وہاں بیگار بھی
کیا ہوا کرتا ہے جنت میں کہیں آزار بھی
حادثے ہیں آہ ظالم تیر بھی تلوار بھی
کھا گئے ظالم زمینداروں کی پیداوار بھی
خوفِ حاکم سے جہاں لرزاں ہو نمبردار بھی
باخبر حالِ رعیت سے تو ہو سرکار بھی

اے جوانانِ کشمیر

جوشؔ ملیح آبادی

اے جنّتِ کشمیر کے بیدار جوانو
اے ہمّتِ مردانہ کے ذی رُوح نشانو
سو بات کی یہ بات ہے اس بات کو مانو
جینے کا جو ارمان ہے تو موت کی ٹھانو
بے غرق ہوئے کوئی اُبھرتا ہی نہیں ہے
جو قوم پہ مرتا ہے وہ مرتا ہی نہیں ہے

●

بے ذوقِ وفا کوئی تہمتن نہیں بنتا
بے سلسلۂ برق نشیمن نہیں بنتا
سونا نہیں تپتا ہے تو کندن نہیں بنتا
جو گھُن نہیں کھاتا ہے وہ آہن نہیں بنتا
جنگل میں جو لذّت کشِ پیکاں نہیں ہوتا
وہ شیر کبھی شیرِ نیستاں نہیں ہوتا

●

کمزور کو آسودگیٔ دِل نہیں مِلتی
جب تک نہ جلے، شمع کو محفل نہیں ملتی
کانٹوں سے چُھپے لذّت کامِل نہیں ملتی
اِس دَہر دِنا اہل کو منزل نہیں مِلتی
گرداب میں جِس شخص کو جینا نہیں آتا
اُس شخص کا ساحل پہ سفینہ نہیں آتا

●

سوتے ہوئے دھارے کبھی طوفاں نہیں بنتے
جو قید نہ ہوں یوسفِ کنعاں نہیں بنتے
مرتے جو نہیں عیسائے دوراں نہیں بنتے
جو موت سے ڈرتے ہیں وہ اِنساں نہیں بنتے
بے سوز، نمِ اشک فِشانی نہیں مِلتا
بے آگ میں کودے ہوئے پانی نہیں مِلتا

●

جب تک کہ ہر اک ذرہ پرافشاں نہیں ہوتا
ایک پھول بھی گلزار میں خنداں نہیں ہوتا
گُلشن میں کبھی رقصِ بہاراں نہیں ہوتا
جب تک کہ ہواؤں پہ گریباں نہیں ہوتا
جب تک دِلِ یوسف پہ گرانی نہیں آتی
رُخسارِ زلیخا پہ جوانی نہیں آتی

●

ہوتا ہے طلاطم کا اب آغاز جوانو
سیلاب میں در آؤ بہ صد ناز جوانو
یہ موج بہ گرداب ہے جانباز جوانو
دو وقت کی آواز پہ آواز جوانو
دنیا میں کسی خوف کے قائل نہیں ہوتے
جو شیر کے بچے ہیں وہ بزدل نہیں ہوتے

●

طوفان کو ٹکراؤ ہواؤں کو بدل دو
دریاؤں کو روندو تو پہاڑوں کو کچل دو
مردانہ بڑھو موت کو پیغام اجل دو
پھولوں کی تمنا ہے تو کانٹوں کو مسل دو
تخریب کا جب تک کہ تلاطم نہیں آتا
تعمیر کے ہونٹوں پہ تبسم نہیں آتا

●

بیٹوں کو چلو عرصۂ ہمت میں اُبھاریں
ہاں آؤ طمانچہ رُخِ سیلاب پہ ماریں
شیروں کی طرح آؤ کچھاروں میں ڈکاریں
پلتی ہیں سدا خون کے دھاروں میں بہاریں
عزت کو خرابات پنپنے نہیں دیتی
دُنیا کبھی نامرد کو جینے نہیں دیتی

●

اے جنّتِ کشمیر

جوشؔ ملیح آبادی

عالم تری برنائی گُل رنگ کا شیدا کونین کے دِل میں ترے جلوے کی تمنّا

آفاق کے شانے پہ تری زُلف گرہ گیر

اے جنّتِ کشمیر

اے جنّتِ کشمیر

ہاں تجھ کو جِلانے کی تمنّا میں مریں گے چلتی ہوئی تلوار سے ہم قطع کریں گے

پہنائیں تو اغیار ترے پاؤں میں زنجیر

اے جنّتِ کشمیر

اے جنّتِ کشمیر

منڈلائیں گے شاہین جو نزری پاک فضا پر اغیار نیاموں سے نکالیں گے جو خنجر
ہم جنگ کے میدان میں چمکائیں گے شمشیر
اے جنّتِ کشمیر
اے جنّتِ کشمیر

ظلمات کو رنگ اپنا جمانے نہیں دینگے اُس خاک پہ ہم رات کو چھانے نہیں دینگے
جس خاک کا ہر ذرّہ ہے خورشید کی تصویر
اے جنّتِ کشمیر
اے جنّتِ کشمیر

تُو کیف کا میخانہ ہے صُوفی کا علم ہے تُو ناز کا بُت خانہ تبسّم کا حرم ہے
تو کوثر و تسنیم کے ہر خواب کی تعبیر
اے جنّتِ کشمیر
اے جنّتِ کشمیر

•

کشمیرِ نادیدہ کا تصوّر

بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی

شنیدہ گفتگو کو امرِ حق ہے
مگر نادیدگی وجہِ قلق ہے
ترستی ہیں یہ آنکھیں اُس چمن کو
درؔ و چکبستؔ نہروؔ کے وطن کو
بزرگ اقبال کے تھے جس کی اولاد
جہاں سپروؔ کے تھے آبا و اجداد
جہاں کلہنؔ نے کی جادو نگاری
جہاں کی ہے غنیؔ نے نغمہ باری
جو مرکز تھا جہانگیری علم کا
جہاں نورِ جہاں کا نور چمکا!

جہاں تہذیب نے کھولی تھیں آنکھیں
جہاں خود دین کے منہ بولی تھیں آنکھیں
ریاضت گاہ کیشپ کی جہاں تھی
زمیں جس کی چہارم آسماں تھی
جہاں گندھرب رہتے تھے نوا زن
جہاں تھے کہنّروں کے پاک دامن
جہاں ہر وقت بکھشیوں کے تھے جلسے
جو باہم دیر ہے روزِ ازل سے
رُبوبیت جہاں تھی محفل آرائ
جہاں یزدانیت تھی آشکارا!
جہاں پھولی پھلی تھی دیو بانی!
جہاں تھی شاردا کی حُکمرانی!
جہاں شائستگی نے جنم پایا
جہاں تہذیب نے جلوا دکھایا
تمدّن نے جہاں کی آبیاری
جہاں دریا ہیں علم و فن کے جاری
جہاں ہے پیر بتوں کی پاسبانی
جہاں ندیاں ہیں مصروفِ روانی

مسلسل موجزن جھیلیں ہیں جس میں
چراغِ انجمن جھیلیں ہیں جس میں
جہاں ڈل میں تموّج خیزیاں ہیں
تموّج میں ترنم ریزیاں ہیں!
جہاں حُسنِ تمنا عنوان کے ساتھ
امر پدوی کے داتا ہیں امر ناتھ
نشاط و فرحت جو بخشتے ہیں
نجاتِ دائمی جو بخشتے ہیں!
جہاں درشن کو آمادہ ہیں آنکھیں
جہاں چشموں کی دِلدادہ ہیں آنکھیں
جہاں کی شان ویری ناگ سے ہے
جہاں پانی کو نسبت آگ سے ہے
جہاں ہے اہتمام راحتِ عام
قدم جس کا اِک پہلا پہلگام
اننت اِس سرزمین کی ہیں کتھائیں
جہاں مُڑ مُڑ کے چلتی ہیں ہوائیں
طبیعت عشق کی ہے لوٹ جس پر
اُبھرتی ہے دِلوں کی چوٹ جس پر

ہے جس سے آب و تابِ گوہرِ ہند!
جو ہے رُوح و روانِ پیکرِ ہند
ہزاروں اِنقلاب آئے ہیں جس میں
زمانے لاجواب آئے ہیں جس میں
ظہورِ ابنِ آدم کی بتا ہے
یہی تاریخِ عالم کی بنا ہے
عروجِ عہدِ رفتہ کی نشانی!
کبھی تھی آریوں کی حکمرانی!
ہنوں نے کی کبھی فرماں روائی
کبھی بودھوں نے کی پرچم کشائی
کبھی اِسلام نے آکر چلادی
شرابِ دینِ لافانی پلادی!
کبھی ناقوس کا اِس میں عمل تھا
کبھی شورِ اذانِ بے فصل تھا!
وہ رونق اِس میں شالیمار کی تھی!
یہ ثانی خُلد کے گلزار کی تھی!
ابھی تک عظمتِ اہلِ سلف ہے!
اِسی کا ذِکر جاری ہر طرف ہے!

نئے کشمیر کا ہے ڈھنگ ہی اور
اب اِس گُلزار کا ہے رنگ ہی اور
نمُونہ ہے یہ عزم کامران کا
نگین ہے خاتمِ ہندوستان کا
بہارِ نو پھر اِس میں آرہی ہے
نِرالی اِس پہ رنگت چھارہی ہے
زباں کا کیا چھیڑے بے کار قِصّہ
مُناسب ہے یہاں اُردو کا حِصّہ
دِلِ مُشتاق کی معراج ہے یہ
سرِ ہندوستان کا تاج ہے۔ یہ
ہمیں ہے جان سے بھی بڑھ کے پیارا
ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا!
مجھے مرغوب اِس کی ہر ادا ہے
منوّر یہ مرے دِل کی صدا ہے!
نِکل آئے گی کوئی ایسی تدبیر
کروں گا مَیں جلد بھی سیرِ کشمیر

جنّتِ کشمیر

ابر احسن گنوری

قبضہ میں ازل سے ہے تیرے حُسن کی جاگیر
پانی ہے چمکتی ہوئی اللہ سے تقدیر
خیرہ کئے دیتی ہے نظر کو تری تنویر
پھولوں کی لطافت سے بنی ہے تیری تصویر
اے جنّتِ کشمیر!

ہر پھول تیرا اصل میں فردوسِ نظر ہے
بالیدہ کرے رُوح کو وہ تیرا سفر ہے
گُل مرگ اگر جنّتِ ارمانِ بشر ہے
ڈل میں ہے تیرے کوثر و تسنیم کی تاثیر
اے جنّتِ کشمیر

لیتی ہے نظر کروٹیں شاخوں کی لچک سے
دِل ہلتے ہیں حُسنِ رُخِ زیبا کی دمک سے
ارمان بھڑک اُٹھتے ہیں کیسر کی مہک سے
کلیوں کی چٹک جیسے ہو جبریل کی تقدیر
اے جنّتِ کشمیر!

غیرت دِہ غلماں تیرا اک ایک جواں ہے
دوشیزہ پہ حُورائے بہشتی کا گُماں ہے
دُنیا میں تری مثل کوئی ملک کہاں ہے
تو اہلِ محبّت کی ہمیشہ سے ہے جاگیر
اے جنّتِ کشمیر!

پگ ڈنڈیاں پُر نور سی گُل ریز سی راہیں
سجدے جنہیں کرتی ہیں مُحبّت کی نگاہیں
دامن میں تیرے آکے جواں ہوتی ہیں چاہیں
پُوچھے کوئی اربابِ وفا سے تیری توقیر
اے جنّتِ کشمیر!

بہارِ کشمیر

اظہار رامپوری

سرور آفرین کیف آور نظارے، یہ کشمیر ہے جیسے شہکارِ قدرت
لئے اپنے دامانِ رنگین میں گویا تماشائے فردوس گلزارِ جنّت
معطّر معطّر مشجّر مشجّر فضا دِلکشا سر بسر نور و نکہت
فسانہ فسانہ بہ عنوانِ رفعت نظارہ نظارہ بہ آثارِ عظمت

سکوں زا ہے دِل زِندگی شادماں ہے، تصوّر حسین ہے تخیّل جواں ہے
یہ کشمیر ہے یا جوابِ ارم ہے، یہ کشمیر ہے یا ریاضِ جناں ہے

درختانِ خودرو عروسانِ نو کی طرح زیورِ گُل سے خود کو سجائے
گُل و برگ میں باغبانِ ازل نے چمن بندیوں کے تماشے دکھائے
مذاقِ تماشا بہر منظرِ نو، نگاہوں کے جذبات کو گُدگدائے
مریضِ محبت گھڑی بھر کو آئے تو پا کے شفا زِندگی بھر کو جائے

سکوں زا ہے دِل زِندگی شادماں ہے، تصوّر حسیں ہے تخیّل جواں ہے
یہ کشمیر ہے یا جوابِ ارم ہے یہ کشمیر ہے یا ریاضِ جناں ہے

صبا عطر افشاں ہوا گُل بداماں، فضا مہکی مہکی سُہانی سُہانی!
ہے سبزہ درختوں کے قدموں کے نیچے کہ یہ فرش مخمل کا ہے دھانی دھانی
بھبُوکا سے پھولوں کے وہ سرخ چہرے کہ یاقوت غیرت سے ہو پانی پانی
کہیں مُشکِ دو فا کہیں عطرِ دو فا کہیں دِن کا راجہ کہیں رات رانی

سکوں زا ہے دِل زِندگی شادماں ہے، تصوّر حسیں ہے تخیّل جواں ہے
یہ کشمیر ہے یا جوابِ ارم ہے یہ کشمیر ہے یا ریاضِ جناں ہے

تہالانِ سرسبز کی وہ لبِ جُو، قرینے سے حدِ نظر تک قطاریں
پری زاد یہ حُسنِ زینت جو دیکھیں، نگاہوں کو صدقے کریں دِل کو واریں
یہ گُلشن کی رنگینیاں اللہ اللہ کہ حُورانِ جنت بھی نذریں گذاریں
چمن در چمن یہ گُلوں کی نمائش کہ اظہار قرباں ہوں جس پر بہاریں

سکوں زا ہے دِل زِندگی شادماں ہے، تصوّر حسیں ہے تخیّل جواں ہے
یہ کشمیر ہے یا جوابِ ارم ہے یہ کشمیر ہے یا ریاضِ جناں ہے

نند لال طالب

مُدت سے آرزو تھی لُطفِ بہار دیکھوں
کاشانۂ چمن کے نقش و نِگار دیکھوں

آبادیٔ جہاں سے مُنہ موڑ کر چلوں میں
دامانِ کوہ میں اِک جائے قرار دیکھوں

دِل کا کنول کِھلائے موجِ شمیم گُلشن
بُلبل کی طرح گُل کو اُس پر نِثار دیکھوں

نظارہ چمن میں جادُو کا سا اثر ہو
سنسان جنگلوں میں دیدارِ یار دیکھوں

باغِ نِشاط میں ہو دِل کو نشاط حاصِل
تازہ نسیم ڈل ہو اور شالامار دیکھوں

کانوں کو میرے بھائیں وہ دِلرُبا صدائیں
جب طائروں کی بن میں ہر سُو پکار دیکھوں

پیغامِ خامشی بھی مرغانِ باغ لائیں
ہر رنگ میں نمایاں گلبن کا خار دیکھوں
اُس وقت برگ گُل سے درسِ وفا پڑھوں میں
اور جلوہ ہائے پنہاں سب آشکار دیکھوں
کُھل جائے مجھ پہ رازِ ناز و نیازِ اُلفت
مٹ جائیں داغ دِل کے جو لالہ زار دیکھوں
حیرت ہو دُور میری نرگس کے درشتوں سے
بُلبل کے سامنے جب گُل کا سنگھار دیکھوں
تھا دِل میں شوق ایسا گھر سے ہوا میں رخصت
تھا لُطف گُلستان کا یا اک طلسمِ قدرت
تھا محوِ حسنِ قدرت مستِ بہار ہو کر
ناظورۂ ازل سے یوں ہمکنار ہو کر
وحشت تھی دور میری صبر و سکوں تھا حاصل
مستِ الست گویا تھا راز دار ہو کر
آبِ رواں کی چادر سبزے نے مُنہ پہ تانی
جس طرح سو رہا ہو کوئی نزار ہو کر
چھائی ہوئی گھٹائیں گھنگھور آسمان پر
برسا رہی تھیں موتی ابرِ بہار ہو کر

سرو سہی کی شاخیں تھیں جھومتی ہوا سے
یا کوئی لڑکھڑاتا تھا بادہ خوار ہوکر
گزرتا تھا صاف پانی پہلو بدل بدل کر
نقش و نگار ہوکر اور آبشار ہوکر
محرابِ در کی صورت سنبل کے پیچ و خم تھے
پہرہ لگائے نرگس تھی جو بیدار ہوکر
جلوت میں نورِ کثرت، کثرت میں عین وحدت
آنکھوں میں آسمائے اغیار یار ہوکر
تھی یوں بدن چُرانی سبزے میں جوئے گلشن
جیسے کوئی چھپائے مُنہ شرمسار ہوکر
مطلوب تھے وہ میرے کشمیر کے مناظر
عیش و نشاط ہوکر اور شالامار ہوکر
جی میں خیال آیا پہلو کو چیر ڈالوں
دل میں جو حسرتیں ہیں اک بار وہ نکالوں
ہستی کا اِک کرشمہ تب میں تجھے دکھاؤں
اور نیستی کا نقشہ آنکھوں میں خود جماؤں
بادِ صبا بجائے شاخِ شجر سے باجا
میں بیٹھ کر لبِ جُو اِک راگنی سناؤں

پھر گوشِ ہوش کھولیں یہ رازدارِ گُلشن
جی کھول کر میں اپنا سب دردِ دِل سُناؤں
پھر مردمانِ بینا ڈُبکی لگائیں اِس میں
آنکھوں سے اپنی میں وہ گنگ و جمن بہاؤں
نقشِ دوئی مِٹاؤں کثرت سے دِل ہٹاؤں
قدرت سمائے مجھ میں قدرت میں میں سماؤں
غافِل خودی سے رہ کر اپنا سرُوپ دیکھوں
وحدانیت کا نقشہ اِس ڈھنگ سے جماؤں
خاموش ہو کے نکلیں ارمان میرے دِل کے
اور شانِ بے خودی سے نام و نشان مِٹاؤں
ایسی ہی کُوک میری پتّھر سے ہوک اُٹھے
دِل میں میں گھر بنائے میں دِل میں گھر بناؤں
گُلشن کے نغمہ پیرا ہوں غرق و جودِ حیرت
اِکتارہ لے کے دِل کا جب میں ملار گاؤں
اِک دم مشاہدہ ہو مطلوب طالبوں میں
اِک نور ہو سمایا اِن سارے قالبوں میں

●

کانگڑی

مرزا کمال الدین شیدا

اے مری آرام جاں اے میری دلبر کانگڑی
مہر گستر کانگڑی اے روح پرور کانگڑی

وادیٔ کشمیر پر ہے وادیٔ ایمن کو رشک
دیکھ کر جلوہ تیرا اے طور منظر کانگڑی

عاشق دل سوختہ کا ہے مزارِ گنبدی
یا کسی سیمیں بدن کا حجلۂ زر کانگڑی

تن بدن میں اُن کے فوراً رشک سے لگ جائے آگ
قاف کی پریاں جو دیکھیں تیرے شہ پر کانگڑی

اس سے نور خشندہ تر ہے اس سے تو تابندہ تر
جامِ جم ہے کانگڑی تاج سکندر کانگڑی

ناف میں تیری نہاں ہے نافۂ آہوئے چین
ہے رگ و ریشہ میں تیرے عود و عنبر کانگڑی

اس کی گرمی سے فلک پر ہے دماغِ اہلِ بزم
گاہ ساقی کانگڑی ہے گاہ ساغر کانگڑی

خویش و بیگانہ سے اس کا رشتہ و پیوند ہے
شوئے بانو کانگڑی بانوئے شوہر کانگڑی

برف و بادل میں فزوں ہوتی ہے اسکی آب و تاب
برف کے دیار میں ہر سو شناور کانگڑی

ابر کے سائے میں چلتا ہے درخشاں آفتاب
یا پھرن کے پھیر میں کرتی ہے چکر کانگڑی

گنبدِ بوسیدہ میں ہے مرقدِ نورِ جہاں
یا اندھیری کوٹھری میں تاجِ اختر کانگڑی

گاہ شالی کوٹتی ہے گاہ چرخہ کاتتی
گاہ اندر کانگڑی ہے گاہ باہر کانگڑی

پوستیں میں کانگڑی ہے آستیں میں کانگڑی
کانگڑی زیرِ پھرن اور زیرِ چادر کانگڑی

رشک سے جل بھن مریں منقل بخاری اور سٹو
یہ تو ہیں استادہ بر در تو ہے اندر کانگڑی

جنگ میں اہلِ پھرن کے ہے علم بردار یہ
گہہ صف آرا کانگڑی ہے گاہ صفدر کانگڑی

کھا رہی تو پھرن کے پھیر میں چک پھیریاں
یہ پھنسا ہے جال میں لوٹن کبوتر کانگڑی

تختۂ صندل کو کر دیتی ہے رنگ آبنوس
سنگ موسیٰ بدل دیتی ہے مرمر کانگڑی

شکر احسان سے تری غافل تھے اہل کاشمر
اس لئے خاطر ہوا تیرا ثنا گر کانگڑی

اچھبل اور کوہسار

مرزا کمال الدین شیدا

اچھبل اور کوہسار ہوش ربا جوئبار
لالہ و گل بے شمار جلوہ گہِ حسنِ یار
باغ ہے یہ سحر کار بلکہ ہے جنت نگار
جا بگہِ انتظار قدرتِ پروردگار

لالہ و گل صف بہ صف ساغر عشرت بکف
حسن کہیں گل بکف عشق کہیں دل بکف
شور و شغف ہر طرف ہو کا سماں ہر طرف
ہم نفس چنگ و دف نغمۂ دراج سار

حسن کہیں محوِ ساز ناز کہیں ہے نیاز
آپ کہیں غزنوی آپ کہیں ہے ایاز
میں ہوں کبھی با نیاز میں ہوں کبھی بے نیاز
مجھ کو نہیں امتیاز مجھ کو نہیں اختیار

دامنِ کوہسار میں ایسے چمن زار میں
خوبیٔ رفتار میں پھول ہیں ہر خار میں
خیمۂ اشجار میں جلوہ گہِ یار میں
حور ہے عریاں کوئی یہ تو نہیں جوئبار

لطفِ شبِ ماہتاب خوب ہے بر سطحِ آب
آب نہیں آب و تاب لالہ و گل نور یاب
محوِ طرب شیخ و شاب حسنِ ازل بے نقاب
بلکہ بصد گونہ آب دیدۂ بینا بکار

لالہ کمر در کمر زیرِ نظر سر بہ سر
سنبل و نسرین تر زینتِ دیوار و در
لطفِ نسیمِ سحر دشت و دبستان گذر
اپنی یہیں ہو بسر زندگیٔ مستعار

دیکھئے گا آبشار میری طرح بے قرار
نوحہ فقط کاروبار شام و سحر اشکبار
اس کو نہیں ہے قیام اس کو نہیں ہے قرار
اس کو کہیں اضطراب اس کو کہیں انتشار

دامنِ گل چھوڑ کر سر کو کہیں پھوڑ کر
بند کہیں توڑ کر اور کہیں جوڑ کر
باغ سے منہ موڑ کر مجھ کو یہیں چھوڑ کر
کس کی طرف دوڑ کر جاتی ہے دیوانہ وار

غلغلۂ آبِ جو　　ولولہ اندوز ہے
اسمیں کہیں ساز ہے　　اسمیں کہیں سوز ہے
اہلِ ہمم کے لئے　　حوصلہ افروز ہے
تجربہ آموز ہے　　اسکی ہر ایک گیرودار

آبِ شکن در شکن　　پھول چمن در چمن
ہوش ربا نسترن　　سنبل و نسرین سمن
لالۂ گل پیرہن　　زیب دہِ انجمن!
غنچہ دہن بر دہن　　خواہشِ بوس و کنار

نغمۂ صلصال سے　　دل ہے مرا پاش پاش
لے ہے عجیب دلفریب　　راگ عجب دلخراش
مجھ کو یہی ہے تلاش　　اس کی ملے بود و باش
راہِ رو آسمان　　گاہ سرِ کوہسار

دخترکِ دہقان　　کھیت میں مصروف کار
طُرۂ دنبالہ دار　　پیرہن لالہ کار
دیکھتی ہے بار بار　　سیم بدن گلعذار
دل سے لیا ہے قرار　　مجھ کو نہیں اختیار

سلسلۂ کائنات　　ہے مد و جزرِ حیات
اس کو نہیں ہے ثبات　　اس سے نہیں ہے نجات
چرخِ کہن سفلہ ذات　　کس سے کریں التفات
اس کو نہیں ہے قیام　　اس کو نہیں ہے قرار
اچھبل اور کوہسار　　ہوش ربا جوئبار

وادیٔ کشمیر

ساغر نظامی

(زکیہ سلطانہ نیرؔ کی نظم وادیِ کشمیر پر ایک تضمین)

پٹے ہیں برف کے ٹکڑوں سے وادی و گلشن
کہ نورؔ بیز ہیں حوروں کے سیم گوں درپن
قدم قدم زر و سیم و عقیق کا معدن
روش روش شفق و ماہتاب کا آنگن
دیارِ لالہ و گل اے حریمِ سرو سمن
تری خزاں پہ نچھاور کروں بہارِ چمن
حریمِ شاہدِ تعمیر تیرے خشت و سنگ

نگار خانۂ فطرت نمو کا اک ارژنگ
کرن کرن ترے نغمے کلی کلی آہنگ

اُفق اُفق تری خوشبو، شفق شفق ترا رنگ
ہے تیرا عکس، قوسِ قزح کا پیراہن
تری فضا کے تکلّم نے بھر دیا بڑھ کر
تری صبا کے ترنّم نے بھر دیا بڑھ کر
ترے نمو کے تلاطم نے بھر دیا بڑھ کر
تری سحر کے تراکم نے بھر دیا بڑھ کر
ترے گلوں کے تبسّم نے بھر دیا بڑھ کر
کبھی تہی جو ہوا تو بہار کا دامن
تری حیات میں رکھدی خدائے حکمت نے
ترے مزاج میں بھر دی کمال صورت نے
ترے ضمیر کو بخشی کلیمِ فطرت نے
ترے وجود میں کی جذبِ سحر عظمت نے
ترے ضمیر میں گوندھی ضمیرِ قدرت نے
نزاکتِ گل و لالہ صلابتِ آہن
ترے جوان جیالے ترے شیوخ جوان
تمام جوشش و تصادم تمام سیلِ رواں
مزاجِ فصل کے نبّاض ہیں ترے دہقاں
ہیں تیرے شاعر و مطرب بھی فاتحِ میداں

تِرا سفینہ تلاطم تِرا سکوں طوفاں
جو برق سے متصادم ہے تو ہے وہ خرمن

تِرے مزاج میں وہ فخر برتری ہے نہاں
تِری حیات میں وہ ذوقِ سروری ہے نہاں
تِرے شعور میں وہ شمعِ آگہی ہے نہاں
تِرے ضمیر میں وہ سوزِ زندگی ہے نہاں

تِرے ضمیر میں وہ رمزِ رہبری ہے نہاں
کہ اب اُبھر نہیں سکتا تصوّرِ رہزن

یہ ایک سوزِ کہن ہی کہ دو شرارے ہیں
یہ ایک نیل گگن ہی کے دو ستارے ہیں
یہ ایک جستِ تمنّا کے دو طرارے ہیں
یہ ایک حریمِ سمن ہی کے دو نظارے ہیں

مِری حدودِ چمن ہی کے دو کنارے ہیں
سوادِ ساحلِ جہلم ہو یا کنارِ جمن

یہ پھول ہے تو وہ خوشبو یہ آب ہے وہ گہر
یہ قلب ہے تو وہ جذبہ، یہ آنکھ ہے وہ نظر
یہ روشنی ہے تو مشعل یہ رُوح وہ پیکر
یہ کیف ہے تو وہ بادہ، یہ مے ہے وہ ساغر

سدا سے دہلی و کشمیر ایک ہیں نیّر
یہ زندگی کا وطن ہے وہ زندگی کا چمن

کشمیر کا مستقبل

ساغر نظامی

بہت دلچسپ کل اک بحث تھی عقل و عقیدت میں
تخیل کھو گیا تھا انکشافِ رازِ جنت میں
وہ جنت جس کا وعدہ آج تک ایمانِ مسلم ہے
وہ جنت کوئی شک باقی نہیں جس کی حقیقت میں
عقیدت سر جھکا کر مانتی تھی خلد کا ہونا
مگر تحقیق کو اصرار تھا اتمامِ حجت میں
وہ کہتی تھی کہ جنت نعمتِ موعودِ فطرت ہے
یہ کہتی تھی بہت سے راز بے معنی ہیں فطرت میں
وہ کہتی تھی کہ ہے ہر اک صحیفے میں خبر اس کی
یہ کہتی تھی شکوکِ ملہمانہ ہیں صحافت میں

وہ کہتی تھی قیامت ایک دن دے گی ثبوت اس کا
یہ کہتی تھی غلط فہمی ہے موضوعِ قیامت میں
تخیل بحث حشر و خلد کی تفسیر لے آیا
تصور سامنے اِک عالَم تصویر لے آیا
پپیہے کے درختوں سے نگاہوں پر سحر برسی
فضائے نُور سے مستی ادھر برسی اُدھر برسی
بساطِ ارض پہ شفاف چشموں سے ہوئی پیدا
وہ رونق جو نہ اب تک کوثر و تسنیم پر برسی
بھری نہروں سے رنگِ سلسبیل اکثر ہوا پیدا
گیاہِ سبز سے طوبیٰ کی مستی بیشتر برسی
چناروں سے بہارِ آتشِ تر رنگ بن بن کر
بقدرِ وسعتِ آغوش و دامانِ نظر برسی
غریقِ کیف و بدمستی ہوئی دُنیا بے نظارہ
شگوفوں سے شرابِ نابِ کوثر اس قدر برسی
ہر اِک ذرہ نمو سے رقص کر کے حُور بن بیٹھا
ہوا سے جنیں برسیں گھٹا جب جھُوم کر برسی
جبینِ عقل پر بحرِ ندامت کی اُٹھیں موجیں
پسینے سے بنی جو بوند وہ بن کر گُہر برسی

پکاری کیا اِسی کو خُلد کی تعمیر کہتے ہیں
ندا آئی کہ اِس کو جنّتِ کشمیر کہتے ہیں
نظر کے سامنے آئینہ تھا تصویرِ جنّت کا
نگاہِ عقل میں تھا موجزن طوفان حیرت کا
انہی تازہ بہاروں میں انہی فردوس پاروں میں
نظارے نے بھرا اِک رنگ آشوبِ قیامت کا
یہاں رضواں نظر آئے ہزاروں بے سرو ساماں
جنہیں حاصل ہوا تھا ارتقا حوروں کی طلعت کا
مگر سب دِل فسُردہ، مُو پریشاں اور فغاں برلب
طریقہ تھا فقیروں کا سلیقہ بادشاہوں کا!
طمانیت سے خالی تھا کنار آرزو جن کی
کنول مُرجھا چُکا تھا جن کی گلزارِ مسُرت کا
ہر اِک کاشانہ تھا عبرت سرائے عزت و نکبت
ہر اِک گوشہ تھا محشر اضطراب آدمیت کا
بدن فطرت نے اُن کے اِس قدر نازک بنائے تھے
ابھی پھولوں بھری سیجوں سے گویا اُٹھ کے آئے تھے
نگاہوں میں تجّلی دیدۂ پُرنم میں حیرانی
ارادوں میں بلندی ہمتّوں میں خستہ سامانی

تناسب بازوؤں میں بیلچے رنگین ہاتھوں میں
صُراحی دار گردن سر پر انبارِ بیابانی
ترنم انکھڑیوں میں اور عذارِ سُرخ پر آنسو
مجسّم ایک جنّت اور خراب خانۂ ویرانی
لب ان کے نغمہ پیرا اور آوازوں میں کمزوری
بدن خلّاقِ عصمت اور کپڑے ننگِ عریانی
جبینِ صبحِ مسّرت غرق محنت کے پسینوں میں
کمر بوس اُن کے بال اور چہرا اسیرِ صد پریشانی
کوئی سُنتا نہیں فریاد جن کی بزمِ عالم میں
وہی لب تشنۂ دریا ہے جن کی شعلہ دامانی
بالآخر عقل نے اک شخص سے وجہِ الم پوچھی
کہا میں کیا بتاؤں یہ تو اک قصہ ہے طولانی

بود در اضطراب از اہلِ عالم ہر کہ کامل شُد
طپیدن درمیانِ جملہ اعضا قسمتِ دِل شُد
غنی کشمیری

ہمیں ہیں وہ جو کل تھے حکمران ان شہ نشینوں پر
ہمیں ہیں وہ کہ اب سو داغ ہیں حسرت کے سینوں پر

ہمیں ہیں وہ جو کل سیجوں پہ سُکھ کی نیند سوتے تھے
ہمیں ہیں وہ کہ اب راتوں کو تکیہ ہے زمینوں پر
ہمیں ہیں وہ جو کل دیتے تھے گوہر اپنے ہاتھوں سے
ہمیں ہیں وہ کہ اب لیتے ہیں آنسو آستینوں پر
ہمیں ہیں وہ جو کل سجدہ نوازِ اہلِ عالم تھے
ہمیں ہیں وہ کہ اب بھاری ہیں خود اپنی جبینوں پر
مقدر پھر گیا چمکا کے اِک اقبال کی بجلی
نہ رونق ہے مکانوں پر نہ تابانی مکینوں پر
یہ کشمیر آہ یہ جنت اور اس میں انقلاب ایسا
قیامت اور کیا ہوگی بپا عزلت گزینوں پر
عقیدت مسکرائی عقل نے گہری نظر ڈالی
کہا روشن ہے مستقبل تمہارا دُور بینوں پر
یہ زنداں میں لب زنجیر سے ارشاد ہوتا ہے
کہ جو پابند ہوتا ہے وہی آزاد ہوتا ہے
وہ دیکھو ہے تحرّک آفتابِ اوج و عظمت میں
وہ دیکھو نورِ مشرق ہے نمایاں شام غربت میں
طلوعِ نو عروسِ عظمت و اقبال ہوتا ہے
کوئی محمل بنا رکھو حجابِ آدمیت میں

جہنم زار جس سے بن گئی ہے محفلِ ہستی
بدلنے کو ہے وہ آلودگی خوشبوئے جنّت میں
جو دھندلی پڑ گئی تھیں امتدادِ گردساماں سے
وہ کرنیں پھر چمکنے کو ہیں ظلمت زارِ قسمت میں
یہی ذرّے جو اب گردش سے پامالِ حوادث ہیں
ستارے بن کے چمکیں گے فضائے علم و حکمت میں
یہی قطرے جو اب جگّر میں ہیں سیلِ حوادث کے
بنیں گے ایک دن لعل و گہر نظروں کی وسعت میں
یہی کشمیر جو آج ایک گہوارہ ہے پستی کا
بلندی پانے والا ہے جہانِ اوج و عظمت میں
یہی تاریکیاں اِک دن سمٹ کر ضوفشاں ہونگی
ابھی یہ مٹنے والی یادگاریں پھر جواں ہونگی
یہی خطہ کسی دن عظمت آرائے جہاں ہو گا
یہی جملہ کسی دن آب و رنگ داستاں ہو گا
فلک جس سرزمیں کا آج ہے آئینۂ پستی
زمینوں پر اسی کی احتمالِ آسماں ہو گا
جسے تم بے زباں، بے کار اور مہمل سمجھتے ہو
یہی خاموش منظر زندگی کا ترجماں ہو گا

بہارِ رفتہ پھر آ جائے گی اپنے خیاباں میں
وطن سے جو ہے باہر وہ وطن میں شادماں ہو گا
جو درماندہ ہیں وہ پہنچیں گے راہوں سے ٹھکانوں پر
پھر اپنی اپنی منزل پر یہاں ہر کارواں ہو گا
حکومت ایک دِن کشمیریوں کے پاؤں چومے گی
ہر اِک ہستی پہ دارا و سکندر کا گُماں ہو گا
زمیں جو کھا گئی ہے وہ خزانے پھر اُگل دے گی
وہ ساماں جو کہیں اب تک نہیں دیکھا یہاں ہو گا
فنا کے قبضے سے جوہر مع شمشیر نکلے گا
خس و خاشاک سے اِک تودۂ اکسیر نکلے گا

مسرت عید ملنے آئے گی دِل کے ملالوں سے
جوانانِ چمن کھیلیں گے اپنے نونہالوں سے
پیامِ زندگی اُن کو دیا جائے گا دُنیا میں
حیاتِ رفتہ آ کر پھر ملے گی مرنے والوں سے
وہ بے کیفی وہ بے رنگی جو اب ننگِ تخیل ہے
ہمیشہ کے لئے ہو جائے گی رُخصت خیالوں سے
صباحت ہو چکی ہے ناتوانی سے جو بشر مُردہ
وہ ہم آغوش خود ہو گی مچل کر خوش جمالوں سے

عقیدت آفریں کانوں میں اب تک گونج ہے جن کی
صدا وہ پھر اُٹھے گی معبدوں سے اور شوالوں سے
جو گرد آلود سے ہیں خاک زارِ شامِ غربت میں
بنیں گی عیش کی راتیں انہی شب فام بالوں سے
تم اپنے پاؤں کے چھالوں کو رو رو کر نہ یوں دیکھو
کسی دن پھول برسیں گے انہی تلووں کے چھالوں سے
شکن ماتھے کے مٹ جائیں گے بن کر چند افسانے
جو تجالے لبوں پر ہیں وہ بن جائینگے پیمانے

چلا تھا ذہن سرگرم مذاقِ جستجو ہوکر
ہوا مسرور آخر شاد کام آرزو ہوکر

زبانِ کلکِ ساغر سے یہ کچھ الفاظ نکلے ہیں
فضا میں چھا گئے ہیں اعتبارِ رنگ و بُو ہوکر
ہوئی تسکین لیکن نغمہ ہائے بے نیازی سے
سرور آیا مگر مستغنیِ جام و سبو ہوکر
ہوئی جب تشنگیٔ ذوق کی تکمیل ہی لازم
تو قطرے چشمۂ کوثر سے نکلے با وضو ہوکر
ہوئے جذبات پیدا ڈوب کر یوں فکرِ رنگیں میں
نکھر جاتا ہے جیسے کوئی غرق آبجو ہوکر

پیامِ عظمتِ کشمیر اِس انداز سے آیا
کہ جنّت خود بڑھی رنگین عروسِ رنگ و بو ہوکر
معطر کیوں نہ ہو جائے مشامِ خاطرِ انسان
نوائے قدس آئی عنبریں و مشک بو ہوکر
خوشا قوے قریبِ عظمت و اقبال می آید
کہ خود مستقبلِ او بہرِ استقبال می آید

وادیٔ کشمیر!

امر چند ولی

جنّتِ ارضی تو ئی اے وادیٔ کشمیر ہے
عشق کی جاگیر ہے تو حُسن کی تصویر ہے
چشمِ باطن کھولتی ہے نو بہاروں کی فضا
نُور سے معمور کیا یہ ساغرِ تنویر ہے
ہر سمت کوہسار ہیں ہر باغ شالہ مار ہے
شاعرِ فطرت کے نغموں کی حسین تفسیر ہے
زعفران زاروں کا مخزن جو بہاروں کی لپک
آب ہے آبِ شفا مٹی بھی یاں اکسیر ہے
باعثِ تسکین ہم کو نام تیرا اے وطن
باغِ جنّت کی یہ دھرتی بولتی تصویر ہے

●

تصویرِ کشمیر

حفیظ جالندھری

معرکہ در پیش ہے جذبات کی تفسیر کا
ہو رہا ہے تذکرہ کشمیر میں کشمیر کا
کھینچنا تصویر کا لانا ہے جوئے شیر کا
رنگ بھر دے اے قلم الفاظ میں تاثیر کا
لُطف جب ہے کھِل اُٹھے ہر نقش اِس تحریر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

چار سو پہرے کھڑے ہیں ساکت و صامت خموش
تاجِ نُور اِن کے سروں پر جسم اِن کے سبز پوش
ایک ہی قانونِ قُدرت کے ہیں یہ حلقہ بگوش
کُچھ نہیں جُز خدمتِ کشمیر کہساروں کو ہوش
روکتے ہیں راستہ ہر دُشمنِ بے پیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

برف کی اُونچائیاں بر قاب کی گہرائیاں!
رنگ و بو کی شوخیاں، پھولوں کی بے پروائیاں!
سبز قالینوں پہ دیو داروں کی بزم آرائیاں!
بنتے ننتے چلتے پھرتے ابر کی پرچھائیاں!
آگے پیچھے دوڑتا تاریکی و تنویر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا۔

برف کے دیو زاد تودے نُور کے آئینہ دار
نُقرئی جھیلوں میں صُبح و شام عکسِ زرنگار
نغمہ خواں جوشاں خروشاں آبشار و جوئبار
خندۂ قدرت گُل اندر گُل بہار اندر بہار
کیوں شگفتہ ہو نہ دِل اِک شاعرِ دلگیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

ندیاں ہر سو تھرکتی ناچتی گاتی ہوئی
کسمساتی، لڑکھڑاتی پیچ و بل کھاتی ہوئی
آدمی کیا پتھروں کو وجد میں لاتی ہوئی
اپنی اپنی منزلِ مقصود کو جاتی ہوئی
کرتی جاتی ہیں نِگاہوں پر عمل تسخیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

تا بہ دامانِ نظر چیلوں کے دیودار وں کے بن
سینۂ ہر سنگِ غارا سے رواں نہر لین
بوالہوس کے واسطے لیکن یہ رستے ہیں کٹھن
مرگیا سر پھوڑ کے اِن پتھروں سے کوہکن
سُن لیا تھا نام بے چارے نے جوئے شیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

دامنِ سونمرگ سے قائم ہے فطرت کا سُہاگ
حُسن کی صُورت امرناتھ آئینہ ہے شیش ناگ
ہائے چشموں کی روانی ہائے چیرو آہوں کے راگ
اک مری آنکھوں کی ٹھنڈک اک مرے سینے کی آگ
نقشِ حیرت ہوں مجھے یارا نہیں تقریر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

دلرُبا دوشیزگی ہے چہرۂ لولاب پر
حُسنِ سادہ ہنس رہا ہے عالمِ اسباب پر
کوثر و تسنیم غش ہیں اس ردائے آب پر
رشک ہے فردوس کو اس سبزۂ شاداب پر
آب میں مَے کا اثر ہے خاک میں اکسیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

عام شاعر کہہ گئے کشمیر کو جنت نشاں
ورنہ جنت میں یہ حسن و رنگ و شادابی کہاں
کیا ہے جنت چند حوریں اک چمن دو ندیاں
خیر زاہد کی رعایت سے یہ کہتا ہوں کہ ہاں

عالم بالا پہ ہے پرتو اسی کشمیر کا
ایک پہلو یہ بھی کشمیر کی تصویر کا

خوبصورت کھیت بھی گلزار بھی کہسار بھی
خوبصورت پھول بھی اشجار بھی اثمار بھی
خوبصورت ہر بشر مفلس بھی اور زردار بھی
ظاہر کشمیر رنگیں بھی ہے اور پرکار بھی

باطن کشمیر لیکن پیٹ ہے انجیر کا
ایک پہلو یہ بھی کشمیر کی تصویر کا

حسن کی افراط خوبی کی فراوانی یہاں
ہے نظر کو اعتراف تنگ دامانی یہاں
بہر جان و جسم ہر نعمت کی ارزانی یہاں
بے کس و محتاج لیکن نوع انسانی یہاں

نقش فریادی ہے یہ تقدیر کی تحریر کا!
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

وادیٔ و کہسار پر ایسی بہار آئی ہوئی
نخلِ آدم زاد پر لیکن خزاں چھائی ہوئی
اِس قدر خوش رنگ کلیاں اور مُرجھائی ہوئی
راکھ میں چنگاریاں جیسے ہوں کجلائی ہوئی

حسرت آلودہ ہے چہرہ ہر جوان و پیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

اک طرف مہمان خوش اوقات خوشدل خوش لباس
اِک طرف ہے میزبان فاقہ زدہ تصویرِ یاس
اِک طرف مے کا نشہ، پھل کا مزہ پھولوں کی باس
اِک طرف بے کیف مزدوری کا حاصل بھوک و پیاس

اِک تماشائی ہے اِک فرزند ہے کشمیر کا
ایک پہلو یہ بھی کشمیر کی تصویر کا

ہائے جہلم کے یہ بجرے ہائے یہ آنچل کی اوٹ
چادرِ آبِ رواں دونوں طرف رنگین گوٹ
ہائے ہانجی کا یہ کُنبہ جِس کا سرمایہ ہے لوٹ
یہ مشقت یہ فلاکت، لب پہ نغمہ دِل پہ چوٹ

شیر سے محروم ہے مالک ہے جوئے شیر کا
ایک پہلو یہ بھی کشمیر کی تصویر کا

سطحِ ڈل لرزاں، کنول رقصاں، شکارے ہیں رواں
ان کے اندر کچھ حسین بھی پیارے پیارے ہیں رواں
بیٹھے بیٹھے خوابِ راحت کے سہارے ہیں رواں
آسمانِ حُسن پر گویا ستارے ہیں رواں

نیم باز آنکھیں مگر ہر سُو نشانہ تیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

کشتیوں کی استراحت اور باغوں کی بہار
دلن چناروں کی فضائیں شب چراغوں کی بہار
ہے یہ زرداروں کی اور اُونچے دماغوں کی بہار
ان کے جا کر دیکھتے ہیں دل کے داغوں کی بہار

ہے دُھواں چُولہے کا ان کو مشعلہ کف گیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

جس کی محنت سے چمن میں روئے گل پُر خندہ ہے
اس کا گھر تاریک اس کا اپنا منظر گندہ ہے
نقش صناعی کا جس کی لوحِ دِل پر کندہ ہے
اس کی مجبوری کو دیکھو بندگی کا بندہ ہے

سانس لینے میں بھی اُس کو خوف ہے تعزیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

مجمعِ اضداد ہیں دیہات بھی اور شہر بھی
موت بھی طاری ہے اِن پر زندگی کی لہر بھی
اِس زمین پر آسمان کا لُطف بھی ہے قہر بھی
اپنے بچّوں کے لئے یہ شہد بھی ہے زہر بھی
آب و گِل کا یہ عجوبہ ہے عجب تخمیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

یہ چمن اغیار کی شعلہ خرامی کے لئے
یہ ثمر شیریں ہیں اپنی تلخ کامی کے لئے
زندگانی ہے یہاں مرگِ دوامی کے لئے
مائیں جنتی ہیں یہاں بچے غلامی کے لئے
ہر نفس اِک سِلسلہ ہے قیدِ بے زنجیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

حاکم و محکوم میں تیغ و گلو کا اِمتیاز
اور دونوں پائے مغرب پر ہیں مجبورِ نیاز
یہ برہمن کے بھجن یہ شیخ صاحب کی نماز
کر رہے ہیں قیدِ نامحسوس کی رسّی دراز
ہے نگاہوں سے نہاں صیّاد اِس نخچیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

خیر ہم کو کیا غرض اِس قوم کے حالات سے
بدگماں ہوتی ہے دُنیا اِک ذراسی بات سے
ہم تو لُطف اندوز ہوتے آئے ہیں باغات سے
ہم کو دلچسپی نہیں ہے مالیوں کی ذات سے
لُطف کیوں کھوئیں ہم اپنی چشمِ لذّت گیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

چشمۂ شاہی پہ آؤ لے کے اِک بوتل چلیں
شہر کے جھگڑوں سے گاندھربل کی جانب ٹل چلیں
آؤ ویری ناگ دیکھیں آؤ اچھابل چلیں
ہستیٔ مزدور کو پیروں کے نیچے مل چلیں
اِس کی یہ مسکین صُورت دام ہے تزویر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

یہ غریب و مُفلس و مجبور ہیں ہم کیا کریں
کم سخن، کمزور دِل مزدور ہیں ہم کیا کریں
حُسن و صنعت کے لئے مشہور ہیں ہم کیا کریں
اِن کے گھر افلاس سے معمور ہیں ہم کیا کریں
اِن کی صُورت ہے نوشتہ کاتبِ تقدیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

دیکھ کر باشندۂ کشمیر کو اندوہگین
سنتے ہیں اہل تماشا کوئی ہمدردی نہیں
غیر ملکی زایرُوں کو ہوگیا ہے یہ یقین
جنتی ہے مزدور ہی اِس باغِ جنّت کی زمین
یہ نتیجہ ہے کسی ناگفتنی تفسیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

زائرُوں کا موسم گرما میں رہتا ہے ہجوم
اہلِ دِل کم، بیشتر اِن میں نظر آتے ہیں شُوم
مُنحصر مزدوریٔ ارزاں پہ ہیں اِن کے قدُوم
ہیں تو یہ جگنو مگر خود کو سمجھتے ہیں نجُوم
یہ زمین گوشہ ہے اِن کی خانگی جاگیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

اِن کے دم سے رونقِ گلمرگ شانِ پہلگام
لیکن اِن دونوں میں ہے بد ذوقیوں کا اژدھام
رات دِن آلودہ کرتا ہے اِنہیں انبوہِ عام
حُسنِ فطرت کا نہیں اِن کے دِلوں میں احترام
کام ہے تفریح سے جذبہ نہیں توقیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

اِس گروہِ عام کا ہے ذوق کتنا بے بِساط
یہ شکم کی پرورش یا مرد و زن کا اختلاط
آ دکھاؤں میں تجھے راہِ حصولِ اِنبساط
شام در باغِ نسیم و صُبح در باغِ نِشاط
دیدہ و دِل کے لئے ساماں ہے تطہیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

اِس سے بڑھ کر اور کچُھ چاہے تو شالامار دیکھ
آنکھ رکھتا ہے تو یہ رنگِ گل و گلزار دیکھ
کچُھ نہیں دیکھا ابھی پھر دیکھ پھر ایک بار دیکھ
شانِ مُغلیہ کے یہ مٹتے ہوئے آثار دیکھ
تو نے دیکھا ہے کہیں ایسا بھی فنِ تعمیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

کیا تجھے معلوم ہے یہ نہر کیوں ہے بے قرار
سر پٹکتے ہیں زمیں پر کِس لئے یہ آبشار
سرو کیوں ہیں پابہ گِل اور دم بخود ہیں کیوں چنار
سر جھکائے کیوں کھڑے ہیں نخل ہائے بار دار

سبزہ کیوں مُنہ تک رہا ہے آسمانِ پیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

کون جانے کس لئے رنگین گُل روتے ہیں خوُن
اس حسین بارا دری پر سوگ سا طاری ہے کیوں
محوِ عبرت کیوں کھڑے ہیں سنگِ موسیٰ کے ستُوں
کیوں شکستہ قلب فوّاروں کو ہے جوشِ جنوں
مُنتظر ہے باغ کس کے خواب کی تعبیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

چشمِ شاعر کے ہیں آنسو ان کو مٹی میں نہ رول
بے خبر انمول جوہر کو ترازو سے نہ تول
ایک گوشے میں ادب سے بیٹھ جا مُنہ سے نہ بول
او تماشائی! تصوّر شرط ہے آنکھیں نہ کھول
چشمِ دل سے دیکھ نقشہ گردشِ تقدیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

عامیوں سے کوئی کہہ دے بند کر دیں کھیل کود
باغ کو خالی کرے اہلِ نمایش کا وُجود
ہو گئی ہے رات سو جائے کہیں بزمِ نمُود
ہونے والا ہے یہاں اب پاک رُوحوں کا وُرود
پیش خیمہ آگیا اِک بزمِ خلوت گیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

اِک سہانی چاندنی رات اور شالامار باغ
دیکھ روشن ہو گیا ہر ایک لالے کا چراغ
خود بخود پُر کر لئے رنگین پھولوں نے ایاغ
عرش پہ جانے لگا پامال سبزے کا دماغ
رنگ و بُو کو بھی سہارا مل گیا تشہیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

مُطرب آئے، نے نواز آئے مرزا میر آ گئے
نغمۂ خاموش کی بن بن کے تصویر آ گئے
دفعتًہ بیرونِ در کچھ اہلِ شمشیر آ گئے
اندرونِ در شہنشاہِ جہانگیر آ گئے
ساتھ اِک پُور حلقہ عدل کی زنجیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

باغ کا در پھر کھُلا بادِ بہاری آ گئی
اِک ردائے سبز بھر پردہ داری آ گئی
صد نقاب اوڑھے ہوئے پرہیزگاری آ گئی
لیجئے نُورِ جہاں کی بھی سواری آ گئی
گردِ جھُرمٹ عقل کا تہذیب کا تدبیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

غنچہ و گُل میں مثالِ بُو ہوئے دونوں نہاں
باغ میں داخل ہوا شاہِ جہاں صاحبقراں
سخت گیر و دادگستر قہرمان و مہرباں
ہمرکاب اقبال شاہی شان وشوکت ہم عناں
میرِ ساماں ساتھ اور سامان بھی تعمیر کا
ایک پہلو یہ بھی کشمیر کی تصویر کا

محوِ سیرِ باغ ہے یہ مرکزِ توقیر بھی
اب چمن میں گونج اُٹھا اک نعرۂ تکبیر بھی
غُل ہوا وہ آئے شاہنشاہ عالمگیر بھی
فقر کے قبضے میں تخت و بخت بھی تسخیر بھی
سامنے قرآن قبضہ ہاتھ میں شمشیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

ہے عجب دُھندلی ضیا اُجلا اندھیرا باغ میں
ہر چمن کو نُور پوشوں نے ہے گھیرا باغ میں
ہے شناسا اب کوئی تیرا نہ میرا باغ میں
باغبانِ باغ کا اُترا ہے ڈیرا باغ میں
خوف ہے تعزیر کا نہ اُن کو دارو گیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

تُو نے دیکھا اے تصوّر کیا ہے اب پھولوں کا رنگ
آبشاروں کا یہ نغمہ نہر کا یہ جل ترنگ
ڈل کے اندر نقرئی لہروں کی پریاں محوِ جنگ
چاند تاروں کو زمیں پر لوٹ جانے کی اُمنگ

بے خودی طاری ہے عالم ہے عجب تاثیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

چاند ڈل میں ڈوبنے کو ہے سحر ہونے کو ہے
روز کا ہنگامہ پھر پیشِ نظر ہونے کو ہے
ہائے یہ منظر بھی اب زیر و زبر ہونے کو ہے
سوئے بالا پاک رُوحوں کا سفر ہونے کو ہے

ہم نشیں عالم ہے یہ اِک نالۂ شبگیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

باغ کے در پر بسر راتیں کیا کرتا ہوں میں
نذرِ خاموشی مُنّاجاتیں کیا کرتا ہوں میں
ماضئِ کشمیر سے باتیں کیا کرتا ہوں میں
بادشاہوں سے ملاقاتیں کیا کرتا ہوں میں

پُوچھتا رہتا ہوں مقصد اُن سے اِس تعمیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

ہنس کے فرماتے ہیں وہ اے شاعرِ رنگین بیاں
تُو نے دیکھے شوکتِ انسانِ فانی کے نشاں
دیکھنے والا اگر ہو زندگی کا رازداں
وہ بھی کرسکتا ہے یونہی حُسنِ فطرت کو عیاں

ہے یہ ایک ادنیٰ نمونہ قوّت و تدبیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

دیکھنے والے مگر اس بات کو سمجھے نہیں!
حوصلے والوں کی نفسیّات کو سمجھے نہیں
اِن سبق آموز تعمیرات کو سمجھے نہیں
اور کیا سمجھیں گے اپنی ذات کو سمجھے نہیں

توڑ کر ہمّت کھلونا بن گئے تقدیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

زندگانی چار دن کی زندگانی ہی سہی
شوکتِ مغلیہ اب قصّہ کہانی ہی سہی
اِک سبق دیتی ہیں تعمیریں پُرانی ہی سہی
نقش باقی ہے ہمارا نقش فانی ہی سہی

راز تو کھُلتا ہے اس سے عالم تغیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

کیا مجالِ دم زدن شاہوں کے ارشادات پر
شاہدِ عادل ہے تاریخ اُن کے احسانات پر
جو نظر تھی قصر و ایوانات پر باغات پر
کاش وہ مرکوز ہوتی آدمی کی ذات پر
پھر بجا ہوتا گلہ کوتاہئ تدبیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

نسلِ اِنسانی کو ٹھہرایا گیا بے کار و زِشت
رائیگاں ہوتی رہی دہقان کی زرخیز کِشت
رنگ و نغمہ، ساغر و مُل، سبزہ و گُل، سنگ و خِشت
خواب کے عالم کو اہلِ مقدرت سمجھے بہشت
خواب دیکھا مُنہ نہ دیکھا خواب کی تعبیر کا
ایک پہلو یہ بھی کشمیر کی تصویر کا

اِک جہاں کشمیریوں کے حال پر ہنستا ہے آج
نام ہے اِن کا فریبی حیلہ گر رُو بہ مزاج
بے دِلی، بے اعتمادی، مُفلسی اور احتیاج
بندگی صد ہا برس کی اور مُسلسل سامراج
کِس قدر ساماں فراہم ہے یہاں تحقیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

اہلِ حشمت کی یہ قبریں یہ شکستہ کاخ و کُو
زنگ خوردہ اسلحہ ٹوٹے ہوئے جام و سبُو
ہڈیاں مزدور کی ہیں اور کسانوں کا لہُو
جس کھنڈر کو دیکھ کر اے دوست افسردہ ہے تُو

یہ خرابہ ہے خُدا کی بہترین تعمیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

عشرتِ ماضی کا ہے خمیازہ کشِ دُنیائے حال
عیش چند افراد کا لایا جماعت پر وبال
ہائے یہ مغموم مائیں زیست کے غم سے نڈھال
ہائے یہ مدقوق بچے، ہائے روٹی کا سوال

ہائے کترا کر نکلنا اِن سے ہر رہگیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

ہم وطن ہی جب نہ اپنے ہم وطن کے کام آئے
سر پہ ہمسایے کے ہمسایہ ہی جب طوفان لائے
کیا بنا سکتی ہے پھر اے دوست تیری ہائے ہائے
یہ مناظر دیکھتا جا اور نہ کر اظہارِ رائے

ورنہ فتویٰ ایک دن لگ جائیگا تکفیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

سیبوں والی

دینا ناتھ مست کشمیری

تازہ تازہ پیارے پیارے — لال گلابی خوشبو والے
تابش میں ہیں ماہ کے پارے — مستی میں ہیں مَے کے پیالے
سب ثمروں سے ہیں یہ نیارے — ہر ایک پھل سے ہیں یہ نرالے
سیبوں جیسی سیبوں والی — تیرے جیسے شیریں ہیں یہ
رنگین رنگین سیبوں والی — تیرے جیسے رنگین ہیں یہ

•

ایسے میٹھے اور رسیلے — جیسے تیرے لب عنابی
بالکل ہیں ایسے ہی رنگیلے — جیسے تیرا رُوئے گلابی
نُور سے ایسے ہیں چمکیلے! — جیسے تیری آنکھ شرابی
تیرے بدن کی ان میں رنگت! — تیرے گیسُو کی خوشبُو ہے
لالہ رنگ ہیں یہ بھی ایسے — جیسی تو خُود لالہ رُو ہے

چال تیری گلریز ہے کتنی — پھول ہیں ہر انداز سے جھڑتے
چتون مستی خیز ہے کتنی — پھول ہیں نگہ ناز سے جھڑتے
سانس میں خوشبو تیز ہے کتنی — پھول ہیں ہر آواز سے جھڑتے
قسمت کی پھلواری ہے تو — پھولوں والی سر سے پا تک
تیرے پیکرِ گل افشاں سے — گل ساماں ہیں ارض و سما تک

●

کن کن جلوہ زاروں سے یہ — چاند گلابی جمع کئے ہیں
ذوقِ نظر کے تاروں سے یہ — عرش کے تارے توڑ لئے ہیں
جنت کے انباروں سے یہ — کس مالی نے سیب دئے ہیں
لے چل مجھ کو اُس جنت میں — جس جنت کی تو مالن ہے
میں بھی کروں رکھوالی اُس کی — جس کی تو خود رکھوالن ہے

●

سیب علاجِ دردِ دل ہیں — روح و بدن کی ہیں یہ قوت!
شافیٔ کامل دافعِ سل ہیں — مُردہ دلوں کو بخشیں طاقت
جس کو دائم یہ حاصل ہیں — چارہ گروں کی پھر کیا حاجت
ان کی اک اک قاش کے رس میں — امرت کس کے ہونٹوں کا ہے
کاش میں اُن کو چوم سکوں ـــ! — رس ان میں جس کے ہونٹوں کا ہے

●

اِن سیبوں کی قیمت کیا ہے؟ — بدلے میں دوں شمس و قمر کیا؟
بیچتی کیوں ہے حاجت کیا ہے — کر دوں پیش یہ بحر و بر کیا؟
اِس میں اتنی حجّت کیا ہے؟ — نذر کروں یہ قلب و جگر کیا؟
چاہے جو بھی شوق سے لے تو — دِل چاہے تو دِل بھی لے تو

رنگین سیب ہے مست کا دِل بھی
سیب کے بدلے سیب ہی لے تو

●

بانیٔ کشمیر

دینا ناتھ مست کشمیری

اے کشپ اے بانیٔ خلد بریں کاشمیر
بخشی ہے تو نے ہمیں یہ گلزمین کاشمیر
بارِ احسان سے ترے سر ہم اٹھا سکتے نہیں
یہ وہ قرض دائمی ہے جو چکا سکتے نہیں
قابلِ صد داد ہے تیری نگاہِ انتخاب
تو نے وہ خطہ چنا جس کا نہیں کوئی جواب
آبِ حیوان سے بھری وادی کی وادی ڈھونڈ لی
عالمِ امکان کی رنگین شہزادی ڈھونڈ لی
ہوگیا تھا خلد سے محروم جو آدم کبھی
کر دیا وہ خلد اس کو پھر عطا اے مہرشی

سر کیا تو نے سنی سر ہمت و تدبیر سے
اک نئی جنت بسائی حکمت تعمیر سے
دامنِ رنگین پہ اس کے اپنی کٹیا کی کھڑی
"کشپ مڑ" کی پا گئی صورت وہی کچی مڑھی
خشک کی وادی اسے دی شکلِ باغِ بے نظیر
نامِ نامی پر ترے پایا ہے نام کاشمیر
مثلِ رضوانِ ارم پیدا کیا ارضی بہشت!
یہ حقیقی خلد ہے زاہد کا ہے فرضی بہشت
رفتہ رفتہ کشپ مڑ رشیوں کی بھومی بن گیا
عابدوں کی وید خواں منیوں کی بھومی بن گیا
عالمانِ با عمل اور فلسفی دیکھا کئے
اہلِ عرفاں راز دانِ زندگی یکجا کئے
تیرا ایما پا کے رشیوں نے بسایا ہے اسے
خونِ دل سے اپنے سینچا ہے سجایا ہے اسے
بھاشن ویدوں کے لکھے تشریح بھی تفسیر بھی
فلسفے سے شیو کے بخشی خلق کو تنویر بھی
حق شناسی کی یہاں سے روشنی ملنے لگی
ذہن و قلب و روح کی تابندگی ملنے لگی

واقفِ اسرار و رازِ ارض و افلاک و نجوم
خانۂ ہر برہمن گویا تھا اک دارالعلوم
اسکے مکتب میں نہ جب تک ہوتا تھا شامل کوئی
علم میں اُسوقت تک ہوتا نہ تھا کامل کوئی
جستجوئے علم میں آئے یہاں دُنیا کے لوگ
چین کے، ایران کے یونان کے روما کے لوگ
بودھ بھکشو بھی یہاں درشن دیا کرتے رہے
علمِ رُوحانی کی وہ ارزاں ضیا کرتے رہے
آ کے شنکر نے یہاں زندہ کیا ویدانت کو
پھر نئی تفسیر کی اُس نے عطا ویدانت کو
پاس شیو شنکر کا ہے کیلاش پربت پر یہاں
ہے یہیں عزلت نشیں وہ صاحبِ کون و مکاں
چوٹیاں کوہوں کی جیسے مندروں کی ہو قطار
ساری وادی گویا ہے بُت خانۂ ونتو بہار
اہلِ قرآن بھی یہاں آکر یہیں کے ہو گئے
وہ بھی رنگیں پھول اس خلد بریں کے ہو گئے
اور دینوں کی طرح پھیلا یہاں اسلام بھی
گونج اُٹھا ہر طرف قرآن کا پیغام بھی

شیخ و برہمن اِک ہوئے دیر و حرم ساتھی بنے
ہمنوا دونوں ہوئے تو ہمقدم ساتھی بنے
ہند کا تُو نے بنایا اس کو تاجِ زر نگار
بن گیا کشمیر اس کا طُرۂ فخر و وقار
کتنے ہی راجوں نوابوں نے سنوارا ہے اسے
نزع میں بھی بادشاہوں نے پُکارا ہے اِسے
لب پہ شاہِ مُغلیہ کے مرتے دم تھی یہ فغاں
"من کہ خوردم آبِ جو یارب بہ کشمیرم رساں"
آتے ہیں بہرِ شفا بیمار زار و ناتواں
مِٹتے ہیں امراض اُن کے بڑھتی ہیں عمریں یہاں
معنوی دولت بھی اِس میں دنیوی راحت بھی ہے
رُوح کی تسکین بھی ہے زیست کی عشرت بھی ہے
اس کے دریا دُودھ کی گنگا ہیں امرت جوئبار
سینکڑوں سازوں کا نغمہ اِسکے جھرنے آبشار
معبدوں میں تیرتھوں میں اِک خدائی شان ہے
نولہ مولہ، ہر بت و کھر بو، نزازِ شاہِ ہمدان سے
شاعرانِ دہر اِسکے گُن سُنانے آئے ہیں
گیت گانے جائیں گے یہ گیت گاتے آئے ہیں

مسکن کا بھی یہ وطن ہے خوبیٔ تقدیر سے
آب و گل اس کو ملی آبِ و گلِ کشمیر سے
اسکے فیضاں سے ہے یہ بھی خوش بیان و گلزبان
اسکے دم سے اسکے شعروں میں بہارِ جاودان
تیری رُوحِ پاک کو ہے اے کشپ سوسو بر تمام
سرِ کشمیری بہ خم ہے بہرِ تعظیم و سلام

●

گلشنِ کشمیر

پورن سنگھ ہنرؔ

تعمیر و ترقی نے عجب رنگ دکھایا !
اب خُلد بھی ہے گلشنِ کشمیر کا سایہ !
ہر دشت میں رقصاں ہیں گلستاں کی بہاریں !
کیا طُور بہ آغوش ہیں کہسار کی غاریں !
اُترے ہی چلے آئے ہیں آنکھوں میں نظارے
حُوریں نظر افروز ہیں یا ڈل میں شکارے
اللہ رے کوہسار میں چشموں کی روانی
بھرتے ہیں یہاں کوثر و تسنیم بھی پانی
ہر گاؤں میں بہتی ہے یہاں علم کی گنگا
کافور ہوا جاتا ہے اب جہل کا کھٹکا
ہر شعبہ میں کشمیر نے کی ہے وہ ترقی
ہر ذرہ اڑاتا ہے ہنسی شمس و قمر کی۔

●

پیامِ کشمیر

پُورن سنگھ ہُنر

چار سُو ہے دِلربائی دِل کشی کشمیر میں
پھُول بن کر کھل رہی ہے زندگی کشمیر میں
گوشہ گوشہ کیوں مُنوّر ہو نہ اِس کے فیض سے
نُور افشاں ہے چراغِ آگہی کشمیر میں
متحد ہے سعی و کوشش میں ہر اِک فردِ بشر
نام کو بھی اب نہیں ہے بے کسی کشمیر میں
دُشمنوں سے بھی کبھی یہ دُشمنی کرتے نہیں
کتنا اُونچا ہے مقامِ دوستی کشمیر میں
رُک گئی ہے گردشِ ایام بھی آ کر یہاں
دُور ہے رنج و الم سے آرسی کشمیر میں

بار ہا اے دوست دیکھی ہے بہارِ مہر و ماہ
اِس سے بڑھ کر ہم نے دیکھی دلکشی کشمیر میں
جلوۂ بے رنگ میں پیدا ہوئی رنگینیاں
زندگی کو بھی ملی ہے زندگی کشمیر میں!
دیکھنے والے فدائے سادگی ہونے لگی
سادگی بھی حُسنِ رنگین بن گئی کشمیر میں
شادماں ہر اِک دلِ ناشادماں ہے اے ہُنر
ہر طرف رقصاں ہے اب آسودگی کشمیر میں

جنّتِ رنگ و بُو

یحییٰ اعظمی

خلدِ بہار در کنار خاکِ حسین کاشمر
خطۂ رنگ و بو ترا کیوں ہو نہ جنّتِ نظر
تیرا نہال و نخلِ تر برگ و شگوفہ و ثمر
میوہ طراز و گُل فشاں طیب طیب و تازہ تر
جھُوم رہی ہے شاخ شاخ رقص میں ہے شجر شجر
سبزہ و گل سے ہیں ڈھکے وادی و کوہ دشت و در
تیرے حسین مرغزار دامنِ دشت و کوہسار
سبزہ و گُل کی وادیاں سرو و چنار کی قطار
زمزمہ سنج آبشار آبِ رواں جوئبار
حُسنِ ازل کے شاہکار مظہرِ شانِ کردگار
خطۂ رنگ آفریں خُلدِ حسین زمردیں
سرخوشِ موجِ بوئے گُل جس کی فضائے عنبریں

خاک کے چپہ چپہ پر جنّتِ حُسن مُرتسم
یعنی نفس نفس نسیم یعنی قدم قدم ارم
نکہتِ گُل کا کارواں مستِ خرام دمبدم
گُل کدۂ سری نگر تیرے نشاط کی قسم
صفحۂ ارض پر ترا نقشِ حسیں ہے لاجواب
وادیٔ شرق و غرب میں حُسن ترا انتخاب
باغ و بہار راغ راغ رشکِ چمن دمن دمن
جلوۂ رنگ رنگ سے قوسِ قزح چمن چمن
نکہتوں سے بسی ہوئی وادیٔ گُل ختن ختن
ارضِ شفیق و ارغواں بن گئی دولہن دولہن
وادیٔ رنگ و بو تری شانِ جمال مرحبا
سبزۂ برگ و بار کا حُسنِ کمال مرحبا
ہے جو بساط سبزہ پر ابرِ بہار خیمہ زن
جھوم رہے ہیں سبزہ زار وجد میں ہیں تل و دمن
آتشِ گُل سے آج کچھ اور بھڑک اُٹھا چمن
اور بھی شوخ ہو گیا رنگِ شفیق و نسترن
نغمۂ نو کی لے ہے امید غنچۂ نو دمید کو
نشاۃِ تازہ کا پیام سبزۂ آرمیدہ کو

جھیل کی سطح پر بچھی چادرِ سیم دیکھئے
شیشۂ آب پر رواں قصر و حریم دیکھئے
رنگِ نشاط دیکھئے حُسنِ نسیم دیکھئے
جنتِ راح و روح و روحِ خُلدِ نعیم دیکھئے
اُٹھ کر فرازِ کوہ سے ڈل پہ شعاعِ آفتاب
اُف رے فروغِ ارتعاش، اُف رے جمالِ اضطراب
صُبح تری بیاضِ نور شام تری ہے زُلفِ حور
جس پہ فدا سوادِ خُلد جس پہ فدا ریاضِ طور
روئے اُفق پہ چارسُو چادرِ سُرخ کا ظہور
جلوہ نُما سحر ہوئی اوڑھے ہوئے ردائے نُور
برگ و شجر ہیں جلوہ بار غرقِ شفق ہے کوہسار
چھائی ہوئی ہے ہر طرف یعنی بہارِ نور و نار
اے مری خُلدِ رنگ و بُو اے مری جانِ جاں وطن
یہ ترا آب و رنگ ہے باعثِ زینتِ وطن
تجھ سے ہے عزتِ وطن تجھ سے ہے عظمتِ وطن
ہے ترے دم سے گلشنِ دہر میں شہرتِ وطن
تیری رگوں میں ہے رواں کس کی بہار کا لہو
کس کے چمن کا فیض ہے یہ ترا حُسنِ رنگ و بُو

تیرا جمالِ روکشِ خُلدِ حسینِ ہند ہے
تیرا وجود اصل میں نقشِ نگینِ ہند ہے
روزِ ازل سے تیری خاک تاجِ زمینِ ہند ہے
زیورِ رنگ و بُو ترا زیبِ جبینِ ہند ہے
گُل کدۂ وطن سے ہے تجھ کو جو نسبتِ حسین
گردشِ روزگار سے ہوتی ہے ختم وہ کہیں

•

اِن مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے
پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں
جیسے ہوتا ہے ابد پر وقت جا کر منتہی
ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آکر یونہیں
یعنی اقلیمِ ابد اور یہ جہانِ خامشی
طاقتِ انساں کی حد سے ہیں پرے دونوں کہیں
طرفہ سناٹا ہے اِس سنسان کوہستان پر
جس کی دُنیا میں نہیں تمثیل کوئی دلنشیں
ہیں سراسر ناپدید آثارِ انسانی یہاں
مُنہ لپیٹے ہیں پڑے اسرارِ سبز دانی یہاں

•

بہاروں کا دیس کشمیر

عرش ملسیانی

آبشاروں بہاروں نظاروں کا دیس
وادیوں، ندیوں، کوہ ساروں کا دیس
سر بہ سر نغمہ چشموں کی یہ سرزمین
سر بہ سر سبزہ یہ سبزہ زاروں کا دیس
در حقیقت ہے فردوس روئے زمین
انتخابِ جہاں یہ بہاروں کا دیس
لالہ کاری ہے فطرت کی ہر باغ میں
یہ حسیں دیس ہے لالہ زاروں کا دیس

گیت گاتی ہوئی ندیوں کی زمین
شور کرتے ہوئے آبشاروں کا دیس
جنگلوں کی سکوں بخش دلکش زمین
مہر برلب حسیں کوہساروں کا دیس
چیڑ، کیل اور اخروٹ کی سرزمیں
دیوداروں، سفیدوں، چناروں کا دیس
تند موسم کے حملوں کی آماجگاہ
قدرتی گھاٹیوں کے حصاروں کا دیس
سُرخ پھولوں سے پیراستہ سرزمیں
سبز پتّوں سے پُرشاخساروں کا دیس
روئے دریا پہ اک تیرتی زندگی
کشتیوں، ہاؤس بوٹوں، شکاروں کا دیس
جن کو طوفان تندی کا کچھ ڈر نہیں
ان نڈر مانجھیوں پختہ کاروں کا دیس
زعفران کے زر افروز کھیتوں کا گھر
یہ زمرّد بھرے مرغزاروں کا دیس
جو وطن کی محبت میں قربان ہوئے
ان جیالے جری جاں نثاروں کا دیس

جن کو دہقان کے غم نے غمگین کیا
ان حقیقت نگر، غم گساروں کا دیس

اب تو جاتا ہے لیہہ تک ہوائی جہاز
اب ہنیں یہ خیالی غباروں کا دیس

آج محنت کشوں کا سہارا ہے یہ
جس کو کہتے تھے سب بے سہاروں کا دیس

مسکنِ خُلق اور آشتی کی زمین
عظمت ملک کے پاسداروں کا دیس

ل کے بھارت سے جس کو مرادیں ملیں
محترم مغتنم کامگاروں کا دیس

وادئ فردا

مخدوم محی الدین

راہ میں سرو ملے
راہ میں شمشاد ملے
سب گرفتارِ چمن
شامِ گلمرگ ملی
صبحِ پہلگام ملی
راہ میں ہنستے رہے لالہ و نسرین و سمن
گنگناتے ہوئے پھولوں کے بدن ملتے رہے

دل کی افسردہ کلی
ایسی وادی میں بھی آکر نہ کھلی
دل کے خوش ہونے کا سامان
گل و لالہ و نسرین و سمن
جھاڑیاں درد کی
دکھ کے جنگل

ندّیاں
جن میں بہا کرتے ہیں دِل کے ناسُور
کوہِ غم
ناگ کی مانند
سِیہ پھن کھولے
ہر گزُرگاہ کو کھا جاتے ہیں
رات ہی رات ہے سنّاٹا ہی سنّاٹا ہے
کوئی ساحل بھی نہیں
کوئی کنارہ بھی نہیں
کوئی جگنو بھی نہیں
کوئی ستارہ بھی نہیں
میری اِس وادئی فردا کے او خوش پر طائر
یہ اندھیرا ہی تیری راہ گزُر
اِس فضا میں کوئی دروازہ نہ دہلیز نہ در
تیری پرواز ہی بن جاتی ہے سامانِ سفر
دامنِ کوہ میں سوئی نظر آتی ہے
تیرے خواب کی زرّیں سحر

کشمیر

میر غلام رسول نازکی

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلّی
اللہ کرے تجھ کو عطا دیدۂ بینا

ہے جلوۂ گل، جلوۂ انوارِ الٰہی
یہ وادیٔ کشمیر ہے یا وادیٔ سینا

یہ برف، یہ کوہسار یہ وادی یہ مناظر
چاندی کی انگوٹھی میں زمرد کا نگینہ

ارژنگ کی گلرنگ ہیں بہاروں کا مرقع
یہ مانی و بہزاد کی صنعت کا خزینہ

یہ لالۂ گلفام ہے یا جام لبالب
یہ نرگسِ مخمور ہے یا ساغر و مینا

یہ برگِ گل و لالہ پہ شبنم ہے کہ جس سے
حوروں کی جبیں پر ہے ندامت کا پسینہ

شاعر کے حسیں خواب کی تعبیر ہے کشمیر
پُرکار مصوّر کے تخیّل کی حسینہ

اے نورِ نظر! دیکھ کہ منظورِ نظر ہے
ساون کا مہینہ ہو کہ پھاگن کا مہینہ

اے زاہدِ بدذوق اسی خاک میں مر جا
اس خاک میں مرنا بھی ہے فردوس میں جینا

وہ گوہرِ نایاب ہیں اس خاک میں جن سے
کم مایہ و ناچیز ہے کسریٰ کا دفینہ

خاموش پرستار ہوں میں حُسنِ ازل کا
اے جنبشِ لب! دل کا اُلٹتا ہے سفینہ

●

پہلگام

روشؔ صدیقی

خلد آرام ہے تو شہرِ دلارام ہے تو
محفلِ نازِ عروسِ صبح و شام ہے تو
منزلِ قافلۂ گردشِ ایّام ہے تو
تجھ سے کچھ جنّتِ آدم کا نشان ملتا ہے
یہ دلاویز سکوں اور کہاں ملتا ہے

دُور تک دامنِ کہسار میں خیموں کا ہجوم
جیسے گردوں سے زمیں پر اُتر آئے ہوں نجوم
خطِ گلزار میں افسانۂ جنّت مرقوم
ہو بہو خُلد سے ملتی ہوئی آبادی ہے
رقصِ اشجار ہے اور زمزمۂ شادی ہے

نرگس و لالہ و نسریں کے چمن اور بھی ہیں
سرو و شمشاد و صنوبر کے وطن اور بھی ہیں
شوخ و معصوم غزالوں کے ختن اور بھی ہیں
بزمِ خوباں میں نہ کاشانۂ اصنام میں ہے
ایک تسکیں کی صورت جو پہلگام میں ہے

شاہدِ صبح کی آمد تیرے کاشانے میں
حسن بیدار ہو جیسے کسی بُت خانے میں
جاگ اُٹھے روحِ حقیقت کسی افسانے میں
دُور تک سلسلۂ نُور وہ کہساروں پر
صبحِ صادق کی تجلّی تری دیواروں پر

دِن عجب عالمِ رنگیں میں گزر جاتا ہے
کیا خبر قافلۂ مہر کدھر جاتا ہے
وقت تو خود تیری محفل میں ٹھہر جاتا ہے
شام کس طرح سے ہوتی ہے یہ معلوم نہیں
آگہی سرخوشئ زیست کا مفہوم نہیں

زُلف بر دوش عجب حُسن سے رات آتی ہے
رات آتی ہے کہ لیلائے حیات آتی ہے
خود بہ خود لب پہ کسی شوخ کی بات آتی ہے
چشمِ مشتاق سے صدیوں کے نِقاب اُٹھتے ہیں
جو گِرائے تھے ازل میں وہ نقاب اُٹھتے ہیں

تیرے خاموش پیامات نہیں بھولیں گے
نو بہ نو حرف و حکایات نہیں بھولیں گے
یہ شب و روز یہ لمحات نہیں بھولیں گے
جب کبھی دِل خلشِ دہر سے گھبرائے گا
آہ! یہ خوابِ سکوں یاد ضرور آئے گا

●

اے جہلم

روشن صدیقی

تری موجوں میں ہے وہ آتشِ شاداب اے جہلم
کہ پروانہ ہے تیرا مہرِ عالم تاب اے جہلم

دلِ فردوس ہے صبحِ ازل سے راز داں تیرا
کیا کرتی ہیں اکثر ذکر حورانِ جناں تیرا
یہ گردونِ کہن، مدت سے ہے افسانہ خواں تیرا
خدا جانے کہاں سے آرہا ہے کارواں تیرا
ہے ویری ناگ تیرے قصر کا اک باب اے جہلم
کسی خوابِ حسیں کا محفلِ تعبیر میں آنا
نگارِ خود نما کا عالمِ تصویر میں آنا
گدازِ شعر کا الفاظِ پُرتاثیر میں آنا
تیرا خلدِ بریں سے وادیٔ کشمیر میں آنا
کسی بربط کو جیسے چھیڑ دے مضراب اے جہلم

وہ انوارِ سحر میں طور کا عالم چناروں پر
شفق کے آتشیں نغمات خاموشی کہساروں پر
وہ سنجاب حریرِ سبز عنّابی کناروں پر
تری موجوں کے چھینٹے وہ دہکتے لالہ زاروں پر
ہجومِ گلرُخاں پر مسندِ کمخواب اے جہلم

وہ موجوں کی طلسمی راگنی، وہ سوزِ خاموشی
وہ فردوسِ خراماں کاروانِ خود فراموشی
صنوبر زاد سایوں میں غمِ دوراں کی روپوشی
وہ نُور افشاں کنول وہ زہرہ و پروین سے ہم دوشی
وہ بحرِ نیلگوں، وہ کشتیٔ مہتاب اے جہلم

وہ دلکش کشتیاں، آرام گاہِ حُسنِ با تمکیں
ارم بیماشکارے قاصدِ شہرِ مہ و پروین
خیابانِ نشاط و داستانِ لالہ و نسرین
کچھ ایسے خواب جن سے رُوح کی بیداریاں رنگیں
سکونِ جاودان جن کے لئے بیتاب اے جہلم

وہ شمشاد و صنوبر کی قطاریں رقص آمادہ
چناروں کی نشیلی چھاؤں میں وہ محفلِ سادہ
وہ خوبانِ ارم افروز، بزم آرا سرِ جادہ
وہ آنکھیں بے نیازِ صد جہانِ ساغر و بادہ
وہ ابرو خالقِ صد کعبہ و محراب اے جہلم

ترے عہدِ گذشتہ کا تصور ہے حسیں اب تک
تری ہر موج ہے حُسنِ قدامت کی امیں اب تک
ترے ماضی کے صدہا تذکرے ہیں دلنشیں اب تک
وہ تیری جنتِ گم گشتہ ہے دل سے قریں اب تک
نگاہوں میں ہے اُس فردوس کا ہر خواب اے جہلم

سلیم و مہرِ حُسنِ شاہد و قدرت کے پروانے
زر افشاں تھے ترے ساحل پہ اک دن جن کے کاشانے
نہیں بھولا ترا کشمیر اب تک جن کے افسانے
جنہیں چھُپ چھُپ کے دیکھا تھا تری چشمِ تمنّا نے
تری راتیں ہیں جن کی یاد میں بے خواب اے جہلم

وہ پُر اسرار نغمے گونجتے تھے تیرے ساحل پر
برستے تھے جو روحِ درد بن کر وادیٔ دل پر
گماں تھا خُلدِ آدم کا تری ہر ایک محفل پر
بہت ہی مطمئن تھے تیرے زاہر اپنی منزل پر
غمِ دُنیا تری جنّت میں تھا نایاب اے جہلم

ہر اِک گوشہ اِرم اسلوب تھا اِس عہدِ زریّں میں
جو عالم تھا بہت ہی خوب تھا اُس عہدِ زرّیں میں
وطن اِک شاہدِ مطلوب تھا اُس عہدِ زرّیں میں
زمانہ کس قدر محبوب تھا اُس عہدِ زرّیں میں
کھُلے تھے ہر طرف خُلدِ بریں کے باب اے جہلم

جبینِ ایشیا کا نُور تھی کشمیر کی وادی
حوادث سے بہت ہی دور تھی کشمیر کی وادی
دِل افروز نشہ و مزدور تھی کشمیر کی وادی
غرض اِک جنّتِ جمہور تھی کشمیر کی وادی
کبھی دیکھا نہ تھا جس نے خزاں کا خواب اے جہلم

تراشے تھے یہاں انساں نے قدرت کے نگین صدہا
تفکر نے اٹھائے تھے حجابات یقیں صدہا
تخیل نے سجائے تھے یہاں خلدِ بریں صدہا
کسی دیواں میں ہوں جس طرح اشعار حسیں صدہا
کتاب زندگی کا وہ درخشاں باب اے جہلم

وہی کشمیر اک معمورۂ نا شادماں ہے اب
بہت افسردہ و پژمردہ رنگِ گلستاں ہے اب
لباسِ بوئے گل میں روحِ گلشن کی فغاں ہے اب
زبوں تر حالتِ مظلومیٔ کشمیریاں ہے اب
دُرِ شہوار ہیں زندانیٔ گرداب اے جہلم

غرورِ شہریاری، جادہ پیمائے جفا کاری
غریبانِ وطن آوارۂ صحرائے ناداری
تباہی، بیکسی، فاقہ کشی افلاس بر داری
مگر کب تک حریمِ نازِ بیداد و ستم گاری
بھڑک اٹھنے کو ہے اک شعلۂ بیتاب اے جہلم

بہت ہی سخت دورِ انتقامِ آسماں ہوگا
جہانِ ظلم و استبداد بے نام و نشاں ہوگا
جہادِ صبر و استقلال آخر کامراں ہوگا
ترے کشمیر پر دامانِ رحمت گل فشاں ہوگا
طلسمِ اہرمن ہو جائے گا غرقاب اے جہلم

اسرار الحق مجاز

اِک ستارہ جھلملایا اور فضا میں کھو گیا
اِک شرارہ جانبِ خلدِ بریں آیا تو کیا

کوئی طوفاں آئے اِک کوہِ گراں ہے اِسطرف
کوئی طوفاں بر سرِ کوہِ گراں آیا تو کیا

دست و بازو میں صلابت آ چکی فولاد کی
اب مقابل اِک حریفِ نیم جاں آیا تو کیا

خود حقیقت پر پڑے باطل کا سایہ تا بہ کے
مہرِ عالمتاب کے آگے دھواں آیا تو کیا

دیر کی عظمت بھی ہے آخر مسلّم ہم نفس
دیر کی محراب تک شورِ اذاں آیا تو کیا

چند بنیادی عناصر مائلِ پیکار ہیں
اِک نئے کشمیر کی تشکیل کے آثار ہیں

میرے کشمیر مکمل نہیں تیری جنّت

آلِ احمد سرورؔ

فسردہ غنچوں کو رنگِ بہار دے اے دوست
دلوں میں ذرّوں کے سورج اُتار دے اے دوست

میرے کشمیر فلک بوس ترا گنبدِ نُور
تیرے ہر سلسلۂ کوہ کو زیبا ہے غرور
تیرے لالے سے دہکتی ہے مرے قلب کی آگ
تیرے برفاب سے ملتا ہے مجھے جامِ طہور
تیرا سبزہ کسی دوشیزہ کا دھانی آنچل
تیرا ہر گُل ہے کسی شوخ کی چشمِ مخمور
دُھوپ میں تیری حیاتِ ابدی کا جوہر
سائے میں تیرے چناروں کے کدورت کافور
آبشاروں سے ترے نغمے کا سیلاب رواں
لہریں لیتی ہوئی ندیوں میں تری موجِ سرور

وہ صنوبر کی قطاریں یہ سفیدے کے پرے
ایک جنّت ہے نگاہوں کی چہ نزدیک چہ دُور
تیرے چشموں، تری جھیلوں، ترے دریاؤں میں
دیدہ ور کے لیے بکھری ہوئی اِک دولتِ نُور

•

تیرے فن کار وہ بدبخت ستم دیدہ جوان
جو کھِلاتے ہیں چمن، کھاتے ہیں پر داغ پہ داغ
حُور و غلماں تری جنت کے فسردہ وملول
جن کے ہر لحظہ تبسم میں بھی زخموں کے سُراغ
جن کے ٹھٹھرے ہوئے ہاتھوں میں ہے تہذیب کی لو
جن کی بے نُور نگاہوں میں تمدن کے چراغ
کیا ستم ہے وہ تہی دست، تہی دامن ہیں
جن کی ہر جنبش لب رو کش مینا و ایاغ
جن کا ہر خونِ جگر مالِ تجارت ٹھہرا
جن کے انگور کے خوشے بھی اُڑا لے گئے زاغ

•

میرے کشمیر مکمل نہیں تیری جنت
اس بھرے گھر میں تہی کیسہ ہیں کیوں تیرے عوام

جن کے باغوں میں نشہ جن کی فضا میں خوشبو
اُن کی محفل میں بھی چلتے نہیں کیوں جام پہ جام
اُن کی شفّاف جبیں پر یہ شکن کیسی ہے
جن سے لیتا ہے اُجالے کا سبق ماہِ تمام
کیوں اُنہیں جوئے کہستاں سے وہ شورش نہ ملی
تودۂ خاک میں بھر دیتی ہے جو سوزِ دوام
کیوں اُنہیں فطرتِ فیّاض سے شبنم ہی ملی
دورِ جمہور میں بھی کیوں ہیں یہ ویسے ہی غلام
جن سے دُنیا میں بہاروں کا بھرم قائم ہے
مختصر کیوں ہے اُسی گھر میں بہاروں کا قیام
کاش اِنسان بھی فطرت کے برابر ہو جائے
تیری قسمت ترے کہسار کے ہمسر ہو جائے

مرے کشمیر میں

عرشؔ صہبائی

دیدنی ہے ہر گلِ رعنا مرے کشمیر میں
موج زن ہے حسن کا دریا مرے کشمیر میں

لہلہاتی کھیتیاں ہیں زینتِ دشت جبل
سر بہ سر ہے خلد کا نقشہ مرے کشمیر میں

ہندو اور مسلم بھی ہیں، سکھ اور عیسائی بھی ہیں
سارے مذہب ہو گئے یکجا مرے کشمیر میں

موت پر بھی اب یہ ہیں ہے موت کا وہم و گماں
زندگی کا راج ہے گویا مرے کشمیر میں

آبِ شیریں جو حقیقت میں ہے آبِ زندگی
کوثر و تسنیم میں ہے یا مرے کشمیر میں

عشق ہے محوِ ترنم حسن ہے مصروفِ رقص
خوش نما کتنا ہے یہ نقشا مرے کشمیر میں

دیکھئے جس کو بھی ہے سرشارِ صہبائے وطن
ہے رواں وحدت کا اک دریا مرے کشمیر میں

چارسو پھیلی ہوئی ہیں کیف زا رنگینیاں
جابہ جا ہے مستیٔ صہبا مرے کشمیر میں

ذرّہ ذرّہ عالمِ مستی میں ہے محوِ طرب
عقل نے یہ معجزہ دیکھا مرے کشمیر میں

چشمۂ شاہی ہو وہ یا باغِ شالیمار ہو
خاص ہے ہر فیضِ قدرت کا مرے کشمیر میں

دیدۂ پرشوق میں ذوقِ نظارہ چاہیئے
کم نہیں جنّت سے ہر جلوا مرے کشمیر میں

آدمی کو جان و دل سے ہے آدمیت کا پاس
زندگی مطلق نہیں رسوا مرے کشمیر میں

زندگی بھی ہے محبت بھی ہے اہلِ دل بھی ہیں
کیا بتاؤں میں کہ ہے کیا کیا مرے کشمیر میں

جاذبِ قلب و نظر ہے سلسلہ کہسار کا
سر اٹھا کر دیکھئے جلوا مرے کشمیر میں

جس طرف اٹھتی ہیں نظریں مسکراتی ہے حیات
اب نہیں ہے موت کا کھٹکا مرے کشمیر میں

اے وادیٔ کشمیر

کشن سمیل پوری

تسنیم میں عکسِ رخِ پر نورِ جہاں گیر — اے چشمۂ تاثیر
اے پیکرِ رعنائی و رنگینیٔ تنویر — اے خلد کی تصویر
بیشک ہے تو خالق کے حسین خواب کی تعبیر — اے وادیٔ کشمیر

ہر سو نظر افروز ہیں بلور کے کہسار — پر سحر و فسوں کار
یا گوہر و نیلم کی ہے دیوار پہ دیوار — رنگین و ضیا بار
یا مانی و بہزاد کے فردوس کی تصویر — اے وادیٔ کشمیر

بہتی ہوئی ندیوں میں فسوں کار سے نغمے — سرشار سے نغمے
پر کیف فضاؤں میں طرب بار سے نغمے — بیدار سے نغمے
سنگیت کی دیوی کے ہر اک نغمے کی تفسیر — اے وادیٔ کشمیر

یہ شان ترے حسن کی اے منبع شادی — اے زعفران زادی
اس طرزِ تبسم نے عجب دھوم مچا دی — دنیا نے صدا دی
اللہ رے یہ حسن دل آویز کی تصویر — اے وادیٔ کشمیر

یہ جل پری، یہ اس کا تموج، یہ ادائیں — کیوں دل پہ نہ چھائیں
جنت میں بھی شاید نہ ہوں یہ مست ہوائیں — مسرور فضائیں
ہر چشمۂ شفاف میں امرت کی تاثیر — اے وادیٔ کشمیر

یہ پھول، یہ اشجار، یہ رنگین نظارے — جنت سے بھی پیارے
یا قوس قزح حسن کا گلزار سنوارے — پانی کے کنارے
آتی ہے بڑھانے کو ترے حسن کی تاثیر — اے وادیٔ کشمیر

یہ روح فزا باغ، دل و جان بھی پیارے — آنکھوں کے ہیں تارے
جو مرتے تھے تجھ پر کسی حسرت کے سہارے — وہ ڈل کے کنارے
تیرے لئے یہ گل کدے کرتے رہے تعمیر — اے وادیٔ کشمیر

وہ بیل ہم آغوش ہے جو سبزہ و جواں سے — اک ربطِ نہاں سے
دیکھا تو پلٹ کر میں چلا آیا وہاں سے — اس اپنے گماں سے
ہیں نور جہاں اور جہاں گیر بغل گیر — اے وادیٔ کشمیر

سڑکوں کے کناروں پہ فلک بوس عمارات — پُر شان محلّات
اللہ رے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات — کیا بات ہے کیا بات
کشمیر کا کشمیر ہے گویا نئی تعمیر — اے وادیٔ کشمیر

جمالِ کشمیر

شریف فرخ آبادی

اے خداوندِ دو عالم سخن آموز دبیر
دستِ مشتاق اٹھا آج بہ ذوقِ تحریر
چشمِ عالم کو دکھانا ہے "جمالِ کشمیر"
کھینچ کر صفحۂ قرطاس پہ رنگین تصویر
بہرِ صورت گریِ شاہدِ کوہسار نژاد
کر عطا بندۂ ناچیز کو کِلکِ بہزاد
کارِ دشوار یہ کِلکِ دو زبان کرنا ہے
باطنِ شاہدِ مضمون کو عیاں کرنا ہے
شرحِ کیفیتِ گلزار جناں کرنا ہے
بے زباں آنکھ نے دیکھا وہ بیاں کرنا ہے
گو ہے آغاز سے پُر پیچ یہ کوہسار کی راہ
رہروِ جادۂ الفت نہیں ہوتے گمراہ
رہ برِ گلشنِ کشمیر ہے بارہ مولا
نظر آتی ہے اسی جا سے نئی اک دنیا

رہِ راست و ہموار رہِ صدق آسا
ہر دو جانب رہِ زیبا کے وہ دلکش سبزا
دیکھ کر جس کی فضا کیف یہ پیدا ہو جائے
چشمِ زاہد کو رہ خلد کا دھوکا ہو جائے
وہ سرِ راہ درختانِ سفیدہ کی قطار
جیسے نیت کئے صف بستہ ہوں غازی دیندار
پا بہ گِل ان کی بلندی سے ہیں سروِ گلزار
رو بہ گردوں ہے ہر اک شاخِ شجر لیل و نہار
بے زبانِ دل کو ہے احساسِ اسیری گویا
سوئے افلاک اٹھائے ہیں شجر دستِ دعا
دامنِ کوہ میں ہیں چیڑ کے صدہا اشجار
جن کے اعجاز کا دم بھرتے ہیں سِل کے بیمار
شاہدِ صنعتِ قدرت و درختانِ چنار
جن کا ہر برگ ہے تصویرِ کفِ دستِ نگار
سایہ گستر تپش آزردۂ دوراں کے لئے
جس طرح دستِ کرم فرقِ یتیماں کیلئے

پایۂ تخت ندا دیکھ نگاہِ آزاد !
پیکرِ حسن ہے گویا لبِ دریا آباد !

خرمنِ صبر و شکیبائی نہ ہو کیوں برباد
پڑ گئی الفتِ کشمیر کی دل میں بنیاد
دیدۂ شوق ہے بے تاب نکل کر دیکھے
ہر طرف حُسنِ خدا داد کا منظر دیکھے

گرمِ پرواز ہے مانندِ پری چشمِ بصیر
کہ ہوئی تختِ سلیماں کی ہوا دامن گیر
شکل خاتم ہے، زمینِ ڈل ہے نگیں کی تصویر
جہلم آتا ہے نظر صورتِ سیمیں زنجیر
زیرِ کوہسار ہے ہر سمت فضائے زیبا
زیبِ کوہسار اک آئینہ تاریخ نما

شنکر آچار یہ مندر وہ سرِ کوہ بلند
تاج میں جیسے جڑا گوہرِ شاد پسند
زلزلے دہر کے پہنچا نہ سکے اس کو گزند
ہجرِ الفت سے رہے شیخ و برہمن پابند
سیر کو آتے ہیں ہر مذہب و ملّت والے
سر جھکاتے ہیں وہی ہیں جو عقیدت والے

شہر کے قلب میں ہے مسجدِ شاہِ ہمدان
جس سے ہر دیدۂ مسلم میں ہے نورِ عرفان
کہ درخشاں ہے ہر اک سمت کلامِ یزدان
خانۂ دل کو ضیا بخش چراغِ ایماں
دیکھنے آتے ہیں ہر قوم کے مردِ ممتاز
نظر آتے ہیں دو زانو جو ہیں شیدائے نماز
دیکھی ہر مسکنِ کشتی کی بہارِ پُر فن
بام پر جس کے شگفتہ ہے لطافت کا چمن
حامیٔ نقلِ سکونت ہیں یہ بے رنج و محن
جھیل پر ہیں کبھی دریا پہ یہ آبی مسکن
ہفت اندام ہیں جہلم کے جِسر پُر زیبا
جن سے ہے گرمیٔ بازارِ جمالِ دریا

سینۂ آب پہ ہر سمت شکارے ہیں رواں
بہرِ دل بستگی و سیرِ حسینانِ جہاں
ہوتے ہیں عکس فگن ڈل میں جو روئے تاباں
زرد ہوتے ہیں کنول دیکھ کے حسنِ خوباں
رشکِ رنگینیٔ رخسار سے ہر صبح و مسا
عارضِ چرخ سے رنگِ شفق اڑتے دیکھا

جھیل پہ تیرتے باغات ہیں پرکیف وفریب
گھاٹ میں جن کی رہا کرتی ہیں چشمانِ رسیدب
بخدا دستِ مزارع کی دل آراء ترتیب
منظرِ کشتِ سرِ آب بنایا یہ عجیب
تخم ریزی بیں ہے اس واسطے گندم لیکن
دل محتاط کو ہے لغزشِ آدم سے خطر

زینتِ شہرِ بیں کوہِ جبال ہیں ایوانِ ہستی
جلوہ گر جن کی جبیں سے ہے ہمایوں بختی!
کف آزردہ رہا ماہ ضیا سے ان کی!
عمر بھر تیرے ہی کی حسن کی دریوزہ گری
شکلِ آئینہ ہیں سنگ ورشاہی شفاف
جن میں آتی ہے نظر صورتِ عدول وانصاف
پڑتی ہے اب چمنِ چشمۂ شاہی پہ نظر
نیک محفرشہ خرّم کا ہے جو شام و سحر
فصلِ گرما میں ہے یہ راحتِ جانِ مضطر
تشنہ کاموں کے لئے باعثِ تسکینِ جگر
جب سے دیکھا یہ خنک روح فزا آبِ رواں
چھپ گیا پردۂ ظلمات میں آبِ حیوان

آگیا باغِ نشاط، آگئی اب جائے قرار
دیکھ لیں اہلِ نظر گلشنِ قدرت کی بہار
اک طرف سدھ مہادیو کا ذی شان کوہسار
دوسری سمت وہ ڈل جھیل کا سیمیں رخسار
چار سو وہ گلِ خوش رنگ نظر آتے ہیں
غنچہ ہائے دلِ پژمردہ کھلے جاتے ہیں

پرنیاں دار وہ گل دوختہ ہر فرشِ گیاہ
کہ پھسلتا ہے دمِ سیرِ چمن پائے نگاہ
ہر لبِ غنچہ ہے مداحِ کفِ آصف جاہ
کیا بنائی یہ پئے نور جہاں عشرت گاہ
آبشاروں سے سنا کرتے ہیں ابتک جزوکل
شیشۂ شاہِ جہانگیر کی بانگِ قلقل

کیا فسوں ساز تھا وہ لہجۂ طنزِ دلدار
بن گیا چشم زدن میں چمنِ شالیمار
وسطِ گلشن میں وہ تعمیر ہوا قصرِ نگار
سنگِ موسیٰ کے ستوں کرتے ہیں ابتک گفتار

اس کے پہلو میں جہانگیر کا دِل ہے پنہاں
جس سے آتی ہے صدا نور جہاں نور جہاں

قصر زیبا کے وہ ہر سمت رواں چشمۂ آب
کھیلتے جس کی ہیں آغوش میں فوارۂ آب
دیکھ کر رنگِ چراغاں وہ تہِ سینۂ آب
بنتے ہیں قوسِ قزح رقص کناں قطرۂ آب
دیدۂ شوق ہے روشن انہیں نظاروں سے
بے گماں حُسن برستا ہے یہ فوّاروں سے

سبز بختی پہ نہ کیوں ناز کریں یہ گلزار
جن کے چشموں کو میسّر ہوئے پھولوں کے کنار
سیر ہو دیکھ کے کس طرح کوئی حُسنِ بہار
دو تو آنکھیں ہیں فقط پھول گلستاں میں ہزار
نظر آتے ہیں وہ رعنائے چمن جن کے گُل
بھول جاتے ہیں جنہیں دیکھ کے نغمہ بلبل

کیوں نہ ہو روئے زمین پر یہ چمن لاثانی
ذرہ ذرہ نظر آتا ہے ارمؔ سا مانی

صاف چشموں سے عیاں ہے وہ گہرتا بانی
رشک سے کوثر و تسنیم ہیں پانی پانی
شان معبود سے زاہدا انہیں گلزاروں میں
نظر آجاتی ہیں بے منت جنّت کی حوریں
ہارون کی طرف اب چشم تمنّا ہے رواں
جس کے سینہ میں ہے اک چشمہ کوہسار نہاں
تشنہ لب دارِ خلافت کو ہے یہ آب رساں
آبگیر ایسے سخی ملتے ہیں دنیا میں کہاں
دیکھ لیتی اگر اس چشمہ کا پانی شیریں
جوئے شیر اپنی زباں پر نہیں لاتی شیریں

راہ مسدود ہے آگے نہیں یارائے گزار
کہ ہے اس جاشۂ زی جاہ کا صحرائے شکار
اس کے چشموں کا میسّر نہ ہوا جب دیدار
جانب شہر پھرا دیدۂ مضطر ناچار
قصہ اچھ بل کا کیا از رہِ اسلام آباد
لے گیا مخرج جہلم پہ خیالِ آزاد

ٹھہراب پائے سبک دیکھ نگاہ بے باک
سامنے آنکھ کے ہے آبِ عمیقِ ویرناگ
اس کا غوّاص میسّر ہنیں زیرِ افلاک
ڈوب جاتے ہیں یہاں بحرِ سخن کے تیراک
حیرت انگیز ہے یہ شعبدۂ دستِ تسلیم
کر دیا چشمۂ پرُزور کو محکومِ حریم

کوئی اس جامِ جہانگیر سے پی کر دیکھے
آب انگور نہ رکھا ہو زبان پر جس نے
یہ وہ پانی ہے کہ اک گھونٹ کے پیتے پیتے
صاف ڈھل جاتی ہے گردِ غمِ دوراں دل سے
ہو کے لبریز چھلکتا ہے یہ ساغرِ ہر دم
دیکھ لے دیدۂ مخمور یہی ہے جہلم
مرحبا تیری اولوالعزمئ فطری جہلم
متحیّر ہے جسے دیکھ کے چشمِ عالم
اس لئے کچھ لیا دامنِ وولر سے قدم
ظرف محدود کے حامی نہیں ارباب ہمم
صاف بتلاتی ہے یہ تیری ادائے رفتار
کہ تیرے پیش نظر ہے کوئی بحرِ زخار

راست رفتار کبھی اہلِ طریقت کی طرح
کج روی پر کبھی مخمور رعونت کی طرح
کف بہ لب ہے کبھی سرشار حکومت کی طرح
پا بہ زنجیر کبھی مجرمِ اُلفت کی طرح
دلِ پر درد کی صورت کبھی سرگرم فروش
کبھی مانندِ لبِ غنچہ دہاناں خاموش
راہ ہموار کہیں فرش گلستاں کی طرح
کہیں سنگین ہے گزر جادۂ عرفاں کی طرح
ہے عمیق آب کہیں طبع سخنداں کی طرح
کہیں ڈھلتا ہے مگر وعدۂ خوباں کی طرح
آبِ شفّاف ترا رشک دِہ عارضِ حور
ہے رواں شام و سحر صورت چشمِ مہجور

جب مِلا دیدۂ جویا کو اَچھ بل کا نشاں!
جا کے گلزار میں دیکھی وہ حسیں جوئے رواں
چاک عنبر سے نکلتی ہے جو آفتاب خزاں
ساکنِ قاف ہو جیسے کوئی رقصِ کناں
کیا بیان ایسے چمن زار کی ہو رعنائی
جس کے ہر پھول کو ہے فخر جہاں آرائی

مارتنڈ اپنے ہوا خواہ سے کرتا ہے بیاں
"تھی ضیا بخش اسی مندر کی جبینِ تاباں"
شاہدِ شوکتِ ماضی ہیں ستونِ ذیشاں
خشم گیں جن پہ ہیں اب دیدۂ برق و باراں
سنگ در سے ہے عیاں صفتِ تعمیرِ سلف
دیکھ ٹوٹے ہوئے آئینہ میں تصویرِ سلف

لے چلی سوئے پہلگام ہوائے پُر کیف
لہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں کی ادائے پُر کیف
بزا فروختہ چشموں کی صفائے پُر کیف
روح پرور لبِ دریا کی صدائے پُر کیف
نظر آتے ہیں سرافروختہ ہر سو کوہسار
بہرِ خدمت ہیں کمر بستہ ہجومِ اشجار

دوشِ کوہسار پہ ہیں پارۂ برفِ سیمیں
یا کہ ہیں جلوہ نما کوئی بُتِ قاف مکیں
پڑتی ہیں قہر کی ان پر جو شعاعیں زرّیں
خیرہ ہو جاتی ہے نظّارہ سے چشمِ بدبیں

باد کوہسار سے وہ سحر عیاں ہوتی ہے
دلِ پیرانِ کہن سال جواں ہوتی ہے
نظر آتی ہے اب آگے رہِ دشوار گذار
تول کر جس پہ قدم رکھتے ہیں چابک رہوار
تہ و بالا نہ ہو کیوں دیکھ کے قلبِ سیّار
اک طرف قصرِ مہیب اک طرف اوج کوہسار
شوق سے اس پہ گذرتے ہیں گذرنے والے
عظمتِ نامِ امرناتھ پہ مرنے والے

روک کر پالے رواں بر سرِ چندن واری
کوئی دیکھے کفِ قدرت کی مرصّع کاری
برف کا جسدِ خنک بر سرِ آب جاری
بے اثر جس پہ ہے خورشید کی آتش باری
اس طرح آبِ ذرافشاں سے چمکتی ہے جبیں
نو تراشیدہ کوئی جس طرح خشتِ سمیں

شیش ناگ اہلِ عقیدت کو یہ دیتا ہے نوید
کہ ہے اب زیرِ قدم دارِ نشاطِ جاوید

نظر آنے کو ہے پانی میں رخِ صبحِ امید
ہو گیا مادرِ گیتی کے کف پا سے سپید
پنج ترنی سے بھی گذرنا ہے اک فرضِ حیات
روح کو دورِ تنا رنج سے جو پانا ہو نجات

اہلِ دل کو نہیں اس راہ میں احساس خطر
کہ ہیں سرگرم سفر برف کے کوہساروں پر
ہو گیا ختم رہِ کوہ و بیاباں کا سفر
بے گماں منزلِ مقصود ہے اب پیش نظر
جستجو آنکھ کو تھی جس کی وہ منظر ہے یہی
زینتِ کوہ امرناتھ کا مندر ہے یہی!

راہِ دیگر سے کولاہی کا ملا برفستان
اوج پر جس کے پھسلتا ہے سبک پائے شباں
بے بہا ہے یہ ہوا بہرِ دماغِ انسان
امتیازِ حق و باطل کا ہے گویا سامان
کوہ کن کو ہکنی کو ادھر آتا جو کہیں!
قولِ باطل پہ گنواتا نہ وہ جانِ شیریں

وادیٔ سندھ کی دلکش نظر آتی جو زمین
گاندربل میں ہوا پائے رواں خیمہ گزین
موجِ دریا سے سنا نغمۂ لہجت آگیں
دیکھ لے کھیر بھوانی کی فضائے شیریں
چار سو چشمۂ پُر فیض ہے صحت کے لئے
آب معبد متلون ہے نصیحت کے لئے

قصہ شونہ مرگ ہے کیوں دیدۂ سیاح جمال
آگیا کیا کسی رخسارِ طلائی کا خیال
کر چکا روئے زمین نظر سے پامال
نہ ملی دہر میں اس سبزۂ زریں کی مثال
دیکھ لے برف کے دریاؤں کا اندازِ خرام
نظر آتے ہیں سبزوں میں یہ سیمیں اندام

مرغزاروں پہ فرس رانی ہے اب مدِ نظر
مرکبِ دل ہے رواں صورتِ بادِ صرصر
سایہ افگن سیر توسن پہ ہیں سرسبز شجر
پیش شب نیتر ہے دامان زمین اخضر

سوئے گلمرگ اُٹھائی تھی عنانِ رہوار
لے چلا جانبِ صحرا یہ سمندِ رفتار

طے کیا دامنِ صحرا پئے گلمرگ شتاب
جس کے دیدار سے ہے کشت تمنا سیراب
برف پروردہ ہوا سے یہ زمین ہے شاداب
فرحتِ دل کے نظر آتے ہیں ہر سو اسباب
فرش مینا یہ اداکار ہیں گوی و چوگان
رقصِ طاؤس دکھاتے ہیں سمندِ خوباں

سبزہ زاروں پہ خراماں ہیں حسینانِ دیار
بازمیں پر ہے رواں حسن کا زیبا گلزار
غنچۂ نیم شگفتہ بھی ہیں گلگوں رخسار
دیکھ لی ہر گلِ خوش رنگ میں ایک تازہ بہار
اب رواں مرکبِ آہنگ ہے الپتھر کو
ہمعناں ہو کوئی پہلو میں جو دل رکھتا ہو

ہمسری کا سویزرلینڈ کو ہے وہم وگماں
معترف اس کا ہے اب دیدۂ سیّاح جہاں
خوبی و حسن میں کشمیر ہے یکتائے زماں
روحِ دل، روحِ جگر، روحِ نظر، روحِ رواں
زاہد اس جنتِ دُنیا کو ذرا دیکھ تو لے
جنتِ حور خدا جانے ملے یا نہ ملے

جب تک افلاک پہ روشن ہیں رُخِ شمس و قمر
ہند کے سر پہ چمکتا رہے یہ تاجِ گہر
شکل خورشید درخشاں رہے روئے انور
نہ کبھی دیدۂ بدخواہ کو ہے تابِ نظر
فرقِ شاہی پہ رہے سایۂ دستِ یزداں
دُرِ مقصد سے بھرے ہر کہ و مہ کا داماں

اے جنّتِ کشمیر

شباب للت

اے گلشنِ شادابِ وطن ۔ حُسن کی تصویر
اے جنّتِ کشمیر
اے سُرخیٔ رُخسارِ وطن مخزنِ تنویر
اے جنّتِ کشمیر
دامن کشِ دِل ہیں تیرے پُرکیف نظارے
ذرّے ہیں تری خاک کے پُر نُور ستارے
ہے سارے زمانے کی نظر میں تری توقیر
اے جنّتِ کشمیر
شاداب تیرے دشت تری وادیاں گُلپوش
آغوش سے ماں کے نہیں کُچھ کم ترا آغوش
پانی ترا امرت ہے تو مٹّی تری اکسیر
اے جنّتِ کشمیر

موجوں کا یہ سنگیت یہ جھرنوں کا حسین ساز
مسکن ہے فرشتوں کا تری جلوہ گہ ناز
منظر ترے خیام کے اشعار کی تفسیر
اے وادیٔ کشمیر

اس باغ کے ہر پھول میں خوشبو ے وفا ہے
اس باغ کے ہر ذرّے میں اُلفت کی ضیا ہے
تُو عشق کی میراث ہے تُو حُسن کی جاگیر
اے جنّتِ کشمیر

جلوؤں سے ترے آنکھ چُرانا نہیں آساں
واپس تیرے آغوش سے آنا نہیں آساں
منظر ترے بن جاتے ہیں دِل کے لئے زنجیر
اے جنّتِ کشمیر

تجھے گر ٹُو وسیرو تیرے گلزار کے بُوٹے
نہروں سے کواکب ترے آکاش سے ٹُوٹے
تیرے ہی عناصر سے تھی اقبال کی تخمیر
اے جنّتِ کشمیر

ہے آج تیرے گھر کی بہو لیلئ جمہور
ہے اپنا لہو اُس کے حسین مانگ کا سندور
سپنے ترے بیٹوں کے ہیں شرمندۂ تعبیر
اے جنّتِ کشمیر
پژمردہ جو گُل تھے وہ ہوئے ہیں ترو تازہ
جنتا نے اُٹھایا ہے غریبی کا جنازہ
لہرایا ہے بیٹوں نے ترے پرچمِ تعمیر
اے جنّتِ کشمیر

صد شُکر کہ باقی نہیں اب دورِ مصیبت
صد شُکر کہ مشکور ہے یہ طرزِ حکومت
نیرنگئ ایّام سے پلٹی تری تقدیر
اے جنّتِ کشمیر
اِک حِصّہ ہے مفلوج ابھی تک تری تن کا
اغیار کے پنجے میں گریباں ہے وطن کا
سر پہ ترے آج بھی تولی ہوئی شمشیر
اے جنّتِ کشمیر

ہے تشنۂ تکمیل ابھی کام ہمارا
خطرے میں نظر آتا ہے آرام ہمارا
کرنا ہے ابھی قلعۂ اغیار کو تسخیر
اے جنّتِ کشمیر

دُشمن نے لکھی جس میں تباہی کی عبارت
تاریخ وہ تیری تھی کبھی دفترِ عظمت
کرنا ہے اِسے خامۂ ایثار سے تحریر
اے جنّت کشمیر

ہے باعثِ تسکینِ جگر جس کا حسین نام
ہیں جس کے تصوّر سے عدو لرزہ براندام
بخشی ہے نگہباں وہ ترا صاحبِ تدبیر
اے جنّتِ کشمیر

جنتِ کشمیر

عمر انصاری

دامنِ کوہسار میں یہ پھولتا پھلتا چمن
پالکی میں سر بہ زانو جیسے چوتھی کی دلہن
گل بدست و گل بدوش و گلبدن و گل پیرہن
سیم رخ و سیما جبیں سیمیں نگاہ و سیم تن
حسنِ فطرت کے لبِ معصوم کا پہلا سخن

ہ

دور تک دو رویہ استادہ شجرہائے چنار
سربلندی سرفرازی سرخوشی کے شاہکار
جس طرح اندر سبھا میں سبز پریوں کی قطار
خوش نوا و خوش جمال و زرفشاں و زرنگار
حسن ہو جن پر تصدق عشق ہو جن پر نثار

ہ

سبزہ جیسے اطلس و کمخواب و دیبا و حریر
راستے جیسے جواں ہاتھوں میں قسمت کی لکیر
بھینی بھینی سی ہوائیں باغ جنت کی سفیر
لہلہاتے کھیت جیسے بے گناہوں کے ضمیر
مانیؔ و بہزادؔ کے البم نہیں جن کی نظیر

o

سلسلہ در سلسلہ ہر چار جانب کوہسار
پُر خروش و گرم جوش و برف پوش و برفبار
با ہمہ خلق و محبت، با ہمہ عز و وقار
امنِ عالم کے نگہباں صلح کے آئینہ دار
صف بہ صف آراستہ پیراستہ سے شہسوار

o

دیدنی ہے باغِ شالامار کا جاہ و جلال
داستاں گوئے شراب و شاہد و ہجر و وصال
یادِ کر کے حسن و الفت کا وہ عہدِ بے مثال
روزِ ماضی سے گلے ملنے چلا جاتا ہے حال
حافظؔ و خیامؔ کا اک مشترک حسنِ خیال

o

ذرّہ ذرّہ جلوۂ صد رنگ کا آئینہ دار
نغمہ زن ہر موجِ دریا زخم زن ہر آبشار
غنچہ و گل صد ادائے ناز و عشوہ در کنار
یہ نگارِ جلوہ ارزاں، وعروسِ نو بہار
موسموں کے ٹھاٹ جیسے بھیرویں، دیپک، ملار

○

سطحِ دریا پر شکاروں کے حریفانہ خرام
سانس لینے کے تقاضے زندگی کے پیام
منتشر سا فرشِ آبی پر ستاروں کا نظام
جیسے صحنِ میکدہ میں رکھ دیئے ہوں بھر کے جام
مرکزِ چشمِ تماشا دعوتِ ہر خاص و عام

○

ذرّہ، ذرّہ ماہ ساماں، ماہ پیکر، ماہ جبیں
چپّہ چپّہ نازشِ کون و مکاں ناز آفریں
تا حدِ ہوش و ہواس و تا حدِ علیم و یقیں
مُسکراتی، کھیلتی، ہنستی ہوئی خلدِ بریں
زندہ باد اے جنّتِ کشمیر تیری سرزمیں

●

حسنِ کشمیر

علی سردار جعفری

آباد ہے خوابوں کی طرح وادیٔ کشمیر
فانوس ہیں تاروں کے تو پھولوں کے چراغاں
دامن میں پہاڑوں کے لہکتی ہیں بہاریں
پتھر کی ہتھیلی پہ مہکتا ہے گلستان
"سنتور" بجاتی ہوئی پھرتی ہیں بہاریں
ہر باغ میں آوارۂ سرمست و غزل خواں
اڑتی ہوئی آتی ہیں پرستانِ افق سے
ملبوسِ شفق پہنے ہوئے صبح کی پریاں

ہر وادیٔ شاداب ہے محبوبۂ گلفام
معشوقۂ نوخیز ہے ہر جوئے کہستان
جھیلیں ہیں کہ نیلم کے تراشے ہوئے پیالے
فوارے ہیں یا گوہر و الماس ہیں رقصاں
"شالی" کے ہیں یہ کھیت کہ سبزے کے سمندر
سائے ہیں چناروں کے کہ جنت کے شبستاں
دوشیزۂ کہسار پہاڑوں کی غزالہ
بنتِ مہ و خورشید ہے ہر دخترِ دہقاں
جو چھین لے دل وہ ہنرِ دستِ ہنرمند
انمول مگر جنس کے بازار ہیں ارزاں
اخلاص و محبت کی وہ گوندھی ہوئی مٹی
اخلاق و مروت کے وہ ڈھالے ہوئے انساں
بخشا ہے انہیں جہدِ مسلسل کے عمل نے
وہ ذوقِ لطافت کہ ہے پروردۂ طوفاں
شاعر کو یقیں ہے کہ نکھر آئے گا اک روز
وہ حسن جو افلاس کی چادر میں ہے پنہاں

●

جہلم کا ترانہ

علی سردار جعفری

مانندِ جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں
ہر دم رواں ہر دم دواں ہر دم جواں رہتا ہوں میں

وادی میں لہراتا ہوا
سبزے سے اٹھلاتا ہوا
سو پیچ و خم کھاتا ہوا
ہنستا ہوا گاتا ہوا

ہر دم رواں، ہر دم دواں، ہر دم جواں رہتا ہوں میں
مانند جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

موجوں کی زلفیں کھولتا
قطروں کے موتی رولتا
معشوقۂ کشمیر کے
پہلو میں اتراتا ہوا

ہر دم رواں ہر دم دواں، ہر دم جواں رہتا ہوں میں
مانندِ جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

الماس پاش انجم فشاں
پیراہنِ آبِ رواں
دوشیزۂ مہتاب کو
آئینہ دکھلاتا ہوا

ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانندِ جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

کھیتوں کے دامن میں یہاں
باغوں کے سائے ہیں وہاں
اپنی شرابِ ناب سے
ساغر کو چھلکاتا ہوا

ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانندِ جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

جو ذرّہ ہے سیراب ہے
جو خاک ہے شاداب ہے
خونِ بہارِ جاوداں
رگ رگ میں دوڑاتا ہوا

ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانندِ جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

مثلِ بتانِ سیم تن
وادی بہ وادی گامزن
موجِ نسیمِ صبح کی
جنبش کو شرماتا ہوا

ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانندِ جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

فطرت مری وارفتگی
آزادگیٔ و سرکشی
طوفاں سے ملتا ہوں گلے
ساحل سے ٹکراتا ہوا

ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانندِ جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

آسودگیٔ جسم و جاں
آغوشِ بحرِ بیکراں
شوریدہ گی کو عشق کے
آداب سکھلاتا ہوا

ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانندِ جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

جنّتِ ہندوستان

طرفہ قریشی

خطۂ کشمیر جولانگاہِ حورانِ جناں
خندہ رُخ، معصومیت آرا، فرشتوں کا جہاں
مرغزاروں کا مظاہر، آبشاروں کا نفیر
غیرتِ فردوس، رشکِ خلد جس کی وادیاں
جس کا ہر منظر طرب انگیز و فردوس نگاہ
جس کی دامانِ طلائی پر نقوشِ زعفران
بہتے چشمے، جاگتے سوتے خرامانِ آبشار
رقص فرماتی ہوئی نہریں مچلتی ندّیاں

دعوتِ نظّارۂ فردوس دیتے ہیں مدام
گنگناتے سبزہ زار اور لہلہاتی کھیتیاں
ہر چمن، ہر گل کدہ گہوارۂ موجِ شمیم
گلشنِ گلمرگ ہے یا جنّتِ ہندوستاں
اس کو کہئے حُسن کی تجدیدِ نو کا شاہکار
"خاندانِ چک" کے ایک فرماں روا کی یادگار
صاف اور شفّاف ہر رستہ لطیف آب و ہوا
ہر روش جس کی خنک ہر رہ گذر یخ بستہ کار
خوشنما جھیلیں، حسیں میداں، نشاط افروز باغ
سبزہ در دامن چراگاہیں نظر کش کوہسار
دور تک سبزہ و خنک کوہِ گراں کا سلسلہ
کھیلتی ہیں جس کے دامن میں عروسِ نوبہار
برف کے گالوں پہ اسکیٹنگ کی وہ مشقِ لطیف
دل کشا تفریح گاہیں روح افزا ہر دیار
صبح سے تا شام سیّاحوں کا شوخ آگیں وُرود
ہر نظر حیرت بدیدہ، ہر بشر مدحت گزار
پر فضا درّے، دل افزا غار، دلکش ہر مقام
مامنِ تسکین و راحت سو نہ مرگ و پہلگام

اُڑتے فواروں میں سیاروں کا عکسِ دلفریب
طلعت آرا سینۂ ذرات میں شمسی نظام
نقرئی سڑکوں پہ لرزہ تاب برقی قمقمے!
جھیل ڈل کی سطح پر جیسے ستاروں کا خرام
جندا ہر شکل، ہر تصویر، تصویرِ حیات
ہر طرف اِک کیف، اک روماں، اک حسن تمام
ذرہ ذرہ ہے یہاں جذب و کشش کا آئینہ
واہ رے فیضانِ قدرت تیرا حُسنِ انتظام
کس کو دیکھیں کون سی تصویر پر ایمان لائیں
ہر نظر میں اک نظارہ ہر نظارے میں دوام

●

چاندنی رات میں جھیل ڈل

ڈاکٹر عزیز

سیمیں ڈل ہنستے کنول نقرئی قہقہہ نگاراں ہے
زمرد کی سیج پہ رقصاں چاند مطرب نغمہ طرازاں ہے
یہاں قلقلِ مینا ہوتی ہے اور ساغرِ عشرت لٹتے ہیں
ماضی کی یادوں میں کھویا نشاط و شالامار اں ہے
نسیمِ خوشبو لہروں میں یادوں کے لائے گی رنگ محل
کیف و حیا میں ڈوبی کلی لرزاں ہے یا کہ خنداں ہے
ملکہ صبا سے بلقیس شاید یہ رائے شیشہ خراماں ہے
کنہ کوہ پر بر تختِ نازاں شاید سلیماں غزلخواں ہے
طور کی وادی پر جا کر جو کلیم نے دیکھا بھالا تھا
وہ ایمن ایمن ہر ہر گام ڈل اک منبعِ نوراں ہے
بادلوں نے آبشارِ کلاّ نورانی جھاگ پہ ڈالی ہے
کہکشاں و ثریا ویراں ہے یا یزداں آج وجداں ہے

غلام ربانی تاباں

راستہ آئینہ دارِ برہمیِ زلفِ دوست
کوہ کے سنگین شانوں پر پڑا تھا خم بہ خم
اک طرف اتنی بلندی اک طرف اتنا نشیب
پتھروں میں ڈھل گیا تھا زندگی کا زیر و بم

جیسے سازش کر رہے تھے اکبرو با دو سنگ و خار
امتحانِ جرأتِ نا آزمودہ کار تھا
اس طرف فطرت مزاحم اس طرف عزمِ تمام
ہر نفس اک جہد تھا ہر گام اک پیکار تھا

جتنی افتادیں پڑیں سوزِ طلب بڑھتا گیا
شوق کو ہر مرحلہ اک تازیانہ ہو گیا
لاکھ فطرت نے چھپایا آدمی سے اپنا راز
پھر بھی وہ صیدِ نگاہِ عارفانہ ہو گیا

دامنِ کہسار پر رنگِ خزاں کی آب و تاب
جس کے آگے سرنگوں بہزاد و مانی کے قلم
آوازِ فردا کی چاپ کے دستبوں کے منتظر
ایک اک پتھر میں کتنے ناتراشیدہ صنم

برف کا ٹیکا دھمکتا تھا جبینِ کوہ پر
بادلوں کے دوش پر گیسو تھے لہراتے ہوئے
حسن کی آرائشوں میں محو ہو جیسے کوئی
عشق کے تسخیر کے جذبوں کی شے پائے ہوئے

جھیل کو ٹھنڈی ہوائیں گدگداتی چھیڑتی
تیز جھونکا جب کوئی آ جائے پانی مسکرائے
شورشِ ہر موج میں غلطاں ہزاروں زمزمے
جیسے مانجھی رات کو جہلم کنارے گیت گائے

یہ مناظر جن کا پرتو ہے مرا ذوقِ جمال
ان کو میرے فکر کی مشاطگی درکار ہے
جان سے پڑ جائے ان رنگین نظاروں میں آج
اک ذرا سوز و گدازِ زندگی درکار ہے

کشمیر کی ایک شام

غلام ربّانی تاباںؔ

فلک کی یہ سُرخی یہ اودی گھٹائیں
یہ خاموش پربت یہ ساکن ہوائیں
یہ فطرت کی محبوب و رنگین ادائیں
کہ آدم کو جنّت کی مستی بھلائیں
اگر دیکھنی ہوں تو کشمیر آئیں
سُہانی ہے اِس دیس کی شامِ رنگین

پسِ کوہ خورشید کا مُنہ چھُپانا
ستاروں کا رہ رہ کے آ جگمگانا
چراغوں کا چاروں طرف جھِلملانا
حسینوں کا گُلشن میں پھرنا پھرانا
کسی سے یہ سُننا کسی کو سُنانا
سُہانی ہے اِس دیس کی شامِ رنگین

کسی کُشتۂ غم کی دِلکش کہانی
سُناتی ہے دریا کی ساکت روانی
خموشی تکلم زباں ہے بے زبانی
یہ سُننے سُنانے ہوئی ہے پُرانی
مگر تازہ ہے اس کی رنگین بیانی
سُہانی ہے اِس دیس کی شامِ رنگین

•

شبِ شالمار

علیم اختر مظفر نگری

گنگنانے لگی وادیِ وطن آج کی رات
نغمے برسانے لگے کوہ و دمن آج کی رات

شوق نے چھین لیا بڑھ کے ثریا سے رباب
عالمِ ساز ہے سوز ہمہ تن آج کی رات

ہائے یہ شامِ چراغاں، یہ شبِ شالامار
ہائے یہ صبحِ بہارانِ چمن آج کی رات

وادیِ گلشنِ کشمیر کی اک دوشیزہ
بن کے بیٹھی ہے بہ صد نازِ دلہن آج کی رات

زلفِ شب رنگ ہے افسانۂ سحرِ بنگال
خمِ ابرو ہے جہاں گیر شکن آج کی رات
خطۂ خلد پہ بھی شانِ جہاں گیری سے
حکمراں ہے وہ شہنشاہِ زمن آج کی رات
وقت کا شاہ جہاں گیر نظر آتا ہے
محوِ گل گشتِ بہارانِ چمن آج کی رات
اس کی رفتارِ خوش انداز پہ ہوتی ہے نثار
مستیٔ ساغرِ صہبائے کہن آج کی رات
اس کے فرمانِ محبّت نے دلوں کو دی ہے
جرأت و ہمت و محنت کی لگن آج کی رات
کارِ امروز ہے صد عشرتِ فردا بہ کنار
غم کے چہرے پہ ہویدا ہے تھکن آج کی رات
روحِ عرفیؔ کو پکارو کہ تماشا دیکھے
اپنی معراج پہ ہیں دانش و فن آج کی رات
حال کو جس نے حیاتِ ابدی بخشی ہے
ترو تازہ ہے وہ ماضی کا چمن آج کی رات
اپنی محنت کے شگوفوں کی مہک سے اخترؔ
کیا معطر ہے تمنا کا چمن آج کی رات

کشمیر

باوا کرشن گوپال مغموم

ہے میسّر دائمی دوشیزگی کشمیر کو
فوقیت ہر نقش پر حاصل ہے اِس تصویر کو
مِل رہی ہے اِس سے دعوت دستِ دامنگیر کو
رنگ دیتا ہوں نیا جذبات کی تفسیر کو

عشوۂ خود بیں ہے اِس میں غمزۂ غمّاز ہے
جو بھی ہے پتھر کا ٹکڑا اِک نگارِ ناز ہے

حلقۂ کہسار میں ہے یہ دیارِ بے نظیر!
دیو کے پنجے میں جیسے قید ہو "بدرِ منیر"!
ابر ہے یا بزمِ رنگ و بو میں قدرت کا سفیر!
طائروں کے گیت جھرنوں کی وہ خواب آور نفیر!

بن گئی ہیں سازِ شاخیں نغمۂ بیدار کا
رہزنِ دِل ہے نکھر کر رنگ برگ و بار کا

پتّے پتّے کی رگ و پے میں ہے خونِ زندگی
غنچے غنچے پر ہے طاری عالمِ وارفتگی
سبز پیڑوں سے چراغوں کی ہے پیدا روشنی
دیدۂ نظارہ جو پر چھا رہی ہر چیز کی

ہو گئی ہے خیمہ زن آ کر یہیں رُوحِ بہار
یہ ہوائے مشک بیز و یہ ہوائے خوشگوار

وادیوں میں بدلیوں کا اُف رے یہ حُسنِ خرام
رقص میں جیسے مُغنّی دور میں جس طرح جام
ان کی ہر جُنبش حیاتِ نور کا دِلکش پیام
ان کے سایہ میں گُل و لالہ کا رنگین اہتمام

چھیڑ دیتی ہیں کلیجہ کو ٹیلیں باغات کا
جنّتِ نظارہ ہے موسم یہاں برسات کا

اِس کی جھیلوں میں کنول کے سُرخ پھولوں کی بہار
نیلگوں موجوں کے گہوارے میں لرزیدہ شرار
دامنِ دِل کھینچتے ہیں زعفران کے کِشت زار
بر لبِ آبِ رواں سر سبز سرووں کی قطار

ڈل کے آئینے میں برفانی کُہستاں چار سو
کیف پرور سایۂ ابرِ خراماں چار سو

کیا طلوعِ صُبح کا منظر کنارِ آب ہے
قرمزی کرنوں سے رنگین دامنِ گرداب ہے
شبنمی چادر کے نیچے سبزۂ شاداب ہے
جو نگاہ سیر میں ہے دیدۂ بیتاب ہے
برف آلودہ پہاڑوں کی شفق گوں چوٹیاں
سُرخ مخمل میں مزیّن جس طرح شہزادیاں

رفتہ رفتہ آمد شامِ دلارا واہ واہ !!
وہ غروبِ مہر کا رنگین نظارہ واہ واہ !!
چاند کا وہ آڑ میں چھُپ کر اشارہ واہ واہ
اور اُفق پر جھلملاتا سا ستارہ واہ واہ !!
ماغیوں کے گیت وہ آبِ رواں کے ساز پر
ڈوبنے لگتا ہے دل سینے میں اس آواز پر

ڈل کے سینے پر "شکاروں" کی سُبک رفتاریاں
اور برقی قمقموں سے ان میں وہ ضُو باریاں
دیدنی مُرغابیوں کی شوخیاں طراریاں
بیٹھ کر پانی پہ پھر اُڑنے کی وہ تیاریاں
تھرتھراتا سا وہ پانی میں سفینہ ماہ کا
خاطرِ مہجور سے اُٹھنا وہ شعلہ آہ کا

چاندنی کی سیم پیراہن بہاروں کا سماں
مرغزاروں، سبزہ زاروں، لالہ زاروں کا سماں
کوہساروں سے اُچھلتے آبشاروں کا سماں
ندی نالوں کا سماں وہ جوئباروں کا سماں

آسماں سے پتی پتی پر وہ شبنم کا نزول
نیند کے آغوش میں وہ غنچہ غنچہ پھول پھول

شوق کی آتش کو بھڑکاتے درختانِ چنار
کوہ کے دامن میں چیلیں وہ قطار اندر قطار
راستہ دیتے نہیں مرغِ نظر کو دیو دار
اونچے اونچے وہ سفیدے کے درختوں کی بہار

جانفزا شفّاف چشموں میں سُنہری مچھلیاں
سیم پارے تیرتے ہیں یا روپیلی مچھلیاں

ہے کہیں پایابی دریا میں بگلوں کی قطار
ریت کے بستر پہ ہیں سارس کے جوڑے ہم کنار
اور سناٹے کے عالم میں وہ جھینگڑ کی پکار
نیل سر کے جُھنڈ سے کچھ دُور وہ چڑیوں کی ڈار

کبک کی کہسار سے اُڑ کر فلک پیمائیاں
اور ہر پرواز میں رنگینیاں رعنائیاں

ہر روش پہ جلوہ آراء مہوشانِ نغز پوش!
ضو گلگشتِ چمن کم سن حسین با صد خروش!
حسن کی پُر کاریاں غارت گرِ تسکین و ہوش
ہر نظر نِشتر زنِ دِل ہر ادا محشر بدوش

حُسن کی گردن میں باہیں ہیں حمائل عشق کی
اِبتدا سے یہ حسین دُنیا ہے قائل عشق کی

آبِ سادہ سے جِلا پاتا ہے رُخسار حسین
اس کی عکاسی سے ہیں زہرہ جبین زہرہ جبین
اس کی شیریں پہ غش جنت کی نہرِ آبگین
پانی پانی اِس کے اِک قطرے کے آگے سو نگین

اِس کے تشنہ وہ ہیں جو آبِ بقا سے سیر ہیں
اِس کے اِک جرعے سے دُنیا بھر کے پیاسے سیر ہیں

اِس چمن کو روندنے پائے نہ صیادِ خزاں!!!
طائروں کے آشیانوں پر نہ ٹوٹیں بجلیاں!!!
خُلد کے باغوں کو بھی شرمائیں اس کے گلستاں!!
اس کے پھولوں کو ستاروں کا شرف دے آسماں!!

بھول جائیں دو جہاں کو ایک اسکی سیر میں
پھول پہ کھٹکے نہ کانٹا بن کے چشم غیر میں

جنّتِ کشمیر

مہندر پرتاپ چاند

فلک پہ چاند کی قندیل جگمگاتی ہے
حسین ہے رات ہر اک چیز مسکراتی ہے
ہر ایک سمت خوشی ناچتی ہے گاتی ہے
ہوا شرابِ ضیا میں نہا کر آتی ہے
فضا بھی نور کے سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

ہر اک طرف ہیں مسرت کے پُر کشش ساماں
کہیں چمن، کہیں سبزہ، کہیں ہے آبِ رواں
ہر ایک ذرّہ ہے مہرِ منیر پُر خنداں
ہر ایک سنگ سے انوارِ طور کے ہیں عیاں
یہ سرزمینِ حسین ہے جوابِ باغِ جناں

جھیلِ ڈل کے کنارے کا عالم سرشار
نظر فروز ہے پانی میں کشتیوں کی قطار
سمائے جاتے ہیں دِل میں مناظرِ کُہسار
اُمڈ رہا ہے وہ طوفانِ رنگ و بوئے بہار
بنا ہوا ہے ہر اِک دشت غیرتِ گلزار

اِس ارضِ پاک پہ دریائے علم و فن ہے رواں
ازل سے ہے یہ ادب کا بھی نیّرِ تاباں
یہ ہے تمدن و تہذیب کا قدیم نشاں
اِسی دیار کو کہتے ہیں لوگ فخرِ جہاں
اِسی پہ ہوتا ہے سب کو بہشت کا بھی گماں

ہمارے خوابِ ترقّی کی دیکھئے تعبیر
ہر ایک شے پہ مُسلط ہے حُسن کی تنویر
ہر ایک چشمے میں بہتے ہیں شہد و بادہ و شیر
کیا ہے خاک کو بھی ہم نے رشکِ اکسیر
عروسِ نو کی طرح پُرشباب ہے کشمیر

•

وادئ کشمیر

قیوم نظر

آج پھر وادئ کشمیر ترے کوہ و دمن
اپنی صد گونہ بہاروں کی روایات لئے
مجھے دیوانہ بنا دینے کو یاد آتے ہیں
ہر طرف سلسلۂ آب رواں سے پیدا
آبشاریں۔ کہیں گرتی ہوئی خاموشی سے
کہیں اک شور مسلسل کوئے غاروں میں
جھاگ اڑاتی ہیں اور اس جھاگ کی رعنائی میں
یوں چھپی جاتی ہیں خود جیسے کوئی چیز نہ ہوں
دودھ یا چشمے۔ ستاروں سے زیادہ شدید
بہتے دریاؤں کی عظمت کے خزانوں کے امین
کہنگی سے بھی پرانے۔ مگر ایسے تازہ
ابن آدم کے لئے حسن دو عالم جیسے

اُن کے شاداب کناروں پہ کبھی شعلے رواں
منعقد انجمنِ ناز کبھی جشنِ بہار
شب مہتاب، ہوا مدھ بھری، ساقی نورس
اور اک بہتے ہوئے سیم گوں نغمے کا فسوں
"چوڑیاں مُرک گئیں، چھوڑ دو موری بیّاں"
پھر وہ ستھری ہوئی جھیلیں وہ بسیط آئینے
جن پہ رقصاں ہیں ادا دوست ہوا کے بل پر
برف کے تودوں کی صورت میں کئی جل پریاں
جن سے کترا کے گزر جاتی ہے بھیڑوں کی قطار
کسی راہ گیر کے سایے سے جو اکثر ڈر کر
اپنے چرواہوں کے پہلو میں سمٹ جاتی ہیں
کہ وہی اُن کے جواں خوابوں کی تعبیریں ہیں
پھر چناروں کے حسیں طائفے۔ اُن کے پتّے
دھوپ کو راستے میں روکنے کو تنتے ہوئے
جن سے چھن چھن کے شعاؤں کا دہکتا ہوا حُسن
گل بدن خاک پہ یوں آترے بکھر جانے کو
جس طرح برف زمستاں میں گرا کرتی ہے
اور وہ پھیلی ہوئی سیڑھیاں وہ دھان کے کھیت
جن میں صدیوں سے تنومند جفاکش دہقان

شام تک کام کئے جانے کی دھن میں کھو کر
گنگناتے ہیں کہ احساس تلخی نہ بڑھے
اُن کے گیتوں میں زمانے کی شکایت نہ کہیں
اپنے بیگانوں کی بے مہری کے افسانے ہیں
شہد سے سیبوں کی، شفتالوؤں کی دولت
اُنکی بھرپور جوانی سے سودا کرتے ہیں
جن سے کچھ بکھری چٹانوں کے نہاں خانوں میں
اک لپکتا ہوا شعلہ سا بھڑک اُٹھتا ہے
آج بھی وادیٔ کشمیر ترے کوہ و دمن
ایسے ہی شعلوں کی قسمت کو ہم آغوش کئے
دیکھتے ہیں تری لٹتی ہوئی شادابی کو۔

●

ایک گیت

قیوم نظر

یہ جہلم، یہ میرا دریا مجھ کو ہنس ہنس تکتا ہے
اس کو مجھ سے، مجھ کو اس سے کون جدا کر سکتا ہے
کتنا خوش ہوتا ہے دکھا کر مجھ کو اپنی جولانی
جہلم کا بہتا پانی

اس کی وادی، جھیلیں، چشمے مجھ کو جان سے پیارے ہیں
اس کے پھیلے کنارے، اپنے ہاتھوں میں نے سنوارے ہیں
میری رگ رگ میں دوڑاتا ہے مستی ان جانی
جہلم کا بہتا پانی

اس کی لگن میں میں نے ریت کے ہر بندھن کو توڑا ہے
میرے لئے ان میدانوں نے بھی ناطہ جوڑا ہے
میری کہانی دنیا سے کہتا ہے اپنی زبانی
جہلم کا بہتا پانی

بہارِ ایشیا

وامق جونپوری

اے بہارِ ایشیا کشمیر! اے جانِ وطن
تیری وادی خُلدِ مشرق رشکِ تاتار و ختن
اے کہ تو تاجِ ہمالہ کا دمکتا کوہِ نُور
تیری جھیلیں سیم بر، چشمے ترے سیماب تن
ذکر آتا ہے کبھی جب وادیٔ لولاب کا
جاگ اُٹھتی ہے دلِ شاعر میں روحِ فکر و فن
رونقِ تختِ سلیماں اک چراغِ بُت کدہ
ایک مرکز یہ جہاں ملتے ہیں شیخ و برہمن
ذرّہ ذرّہ ہے تیرا عکسِ نگارِ لالہ رُخ
قطرہ قطرہ ہے ترا دُرِّ عدن لعلِ یمن
تیرا ہر منظر کہ تصویرِ بہار اندر بہار
تیرا ہر خطہ کہ تعمیرِ چمن اندر چمن

ایک کے بعد ایک یوں موسم بدلتے ہیں تیرے
جس طرح جوڑے بدلتی جائے چوتھی کی دُلہن
زعفراں زاروں سے تیرے کارگاہوں سے تیرے
یوسفِ محنت کی آتی ہے شمیمِ پیرہن
نونہالانِ چمن نے تیرے یوں انگڑائی لی
بے ستوں کے قلب میں ہو جیسے دستِ کوہکن
تیری اِس بیداریٔ احساس کو میرا سلام
تیرے قدموں پہ نچھاور میرا اندازِ سخن

کیسر کی دھرتی

شمیم کرھانی

کوہِ بنہال کی چوٹی کے اُدھر
ایک کیسر کی مہکتی ہوئی دلکش دھرتی
اپنے دامن میں چھپائے ہوئے جادو کے دیئے
جگمگاتی ہے ستاروں کو لئے

ــــــ ان ستاروں کی روپہلی ضو میں
ــــــ خاک آلود سے کچھ ہاتھ نظر آتے ہیں
ــــــ اور محنت کے پسینے سے بھرے ماتھے بھی
ــــــ جن سے کیسر کی فضاؤں میں چراغاں سا ہے

کس کے یہ ہاتھ ہیں کس کے ہیں بھیگے ماتھے
کون سے لوگ ہیں کس بات کا سودا ہے انہیں

یہ تو اس عہدِ رواں ہی کے جنوں پیشہ ہیں ——

حدتِ شیشہ نہیں حوصلۂ تیشہ ہیں ——

یہ جو چلتے ہیں تو چلتے ہیں چمن بھی ہمراہ ——

وادیاں ان کے قدم چوم کے جھوم اٹھتی ہیں

کہ کھلاتے ہیں چٹانوں میں یہ تہذیب کے پھول

ان کے ماتھے کے پسینوں میں ہے نیساں کا اثر

شورزاروں میں بوتے ہیں تمدن کے گہر

شام گاتی ہے تو ان کا ہی ترنم لے کر

صبح ہنستی ہے تو ان کا ہی تبسم لے کر

اپنے دامن میں چھپائے ہوئے جادو کے دیے

جگمگاتی ہے ستاروں کو لیے

کوہِ بنہال کی چوٹی کے اُدھر

ایک کیسر کی مہکتی ہوئی دلکش دھرتی

●

یاد آتا ہے

شمیم کرہانی

برستے ہیں جو فضا سے دہکتے انگارے — تو مجھ کو ابرِ پہلگام یاد آتا ہے
اُجاڑ صُبح جو ہوتی ہے رہگزاروں میں — تو ڈل کا حُسنِ سرِ شام یاد آتا ہے
ہوا جو رکتی ہے ہوتا ہے حبس کا عالم — نسیمِ باغ کا پیغام یاد آتا ہے
جھلکنے لگتی ہے نظروں میں شام جہلم کی — وولر کی صُبح کا ہنگام یاد آتا ہے
ہوا کے دوش پہ گلمرگ کی فضاؤں میں — وہ ایک سلسلۂ جام یاد آتا ہے
مئی کی دھوپ سے جلتی ہیں جس گھڑی آنکھیں — نظر کو ابرِ سیاہ فام یاد آتا ہے
حیات جلتی ہے تپتے ہوئے مکانوں میں — ہمالیہ کا خنک بام یاد آتا ہے
ہوائے گرم سے دہلی کا لالہ رُخ ہے اُداس — سری نگر کا گُل اندام یاد آتا ہے
میں کیا کروں میرے جذبۂ پرستش کو — نگار خانۂ اصنام یاد آتا ہے
جو محوِ کار ہے کشمیرِ نو کی دھرتی پر — وہ دل کا حوصلۂ عام یاد آتا ہے
ملی ہے خالدِ کشمیر کی تڑپ جس کو — وہ کاروانِ سبک گام یاد آتا ہے

نہ آؤں یاد میں بُستانِ کاشمر کو شمیم
مجھے تو وہ سحر و شام یاد آتا ہے

●

ڈل کی شام

برق کشمیری

جلوہ حیات افزا شامِ بہار کا تھا
نشہ حیات افزا ڈل کے خمار کا تھا
ہر ذرّہ جلوہ گر تھا حُسنِ بہار بن کر
وہ دلرُبا فضائیں شانِ بہار ہو کر
وہ کیف زا ہوائیں مستانہ وار ہو کر
سوز و گُداز سے پھر دِل کو لُبھا رہی تھیں
سازِ طرب کی خُوگر ہر لہر نغمہ زن تھی
آبِ رواں کی چادر پھر ڈل میں موجزن تھی
سیماب وار موجیں وہ بے قرار موجیں
کیا دلنشین ادائیں دِکھلا رہی تھی قُدرت
مسرور تھی نگاہیں تھی جلوہ بار فطرت
ڈل کے کنول کنول کی رنگینیٔ فضا سے

کیا کیف ریز منظر شامِ بہار کا تھا
چشمِ نظّارہ بن کر سورج کا ڈوبنا تھا
رنگین بادلوں سے جلوے برس رہے تھے

نظّارہ سوز جلوہ چاروں طرف بپا تھا
تصویرِ خُلد دیکھا نظّارہ آب و گِل کا
دِل میں اُتر رہا تھا رُوحِ نشاط بن کر

وہ خوشگوار منظر تھا شام کو ہویدا
باغِ جہاں پہ یکسر تھا اک سکون برپا
جلوے تڑپ تڑپ کر خاموش ہو رہے تھے

نظریں بھی برق بن کر تیزی سے کوندتی تھیں
جان بخش تھا وہ منظر آنکھیں جو دیکھتی تھیں
دھواں سا اُٹھ رہا تھا سرسبز وادیوں میں

•

اے وادیٔ کشمیر

جگن ناتھ آزاد

جلوہ تِرا محبوبِ شہنشاہِ جہاں گیر
اِقبالؔ کی تخئیل تِرے دام کی نخچیر
اے وادیٔ کشمیر!
اُڑتا ہوا بادل ہے کہ مُنہ بولتا جادو
بہتا ہوا نالہ ہے کہ ہے پاؤں کی زنجیر
اے وادیٔ کشمیر!
ہر قطرۂ باراں ہے تِرا کیف کا سیلاب
ہر ذرّۂ خاکی ہے تِرا حُسن کی تصویر
اے وادیٔ کشمیر!
شاداب چٹانوں میں یہ بہتے ہوئے دریا
سچ پُوچھ کہ یہ دریا ہیں کہ ہے عالمِ تصویر
اے وادیٔ کشمیر!

فرقت زدہ عاشق ملے معشوق سے جیسے
یوں ابرِ سیہ مست ہے ندّی سے بغل گیر
اے وادیٔ کشمیر!

جھرنوں کی ہے آواز کہ ہے اذنِ خموشی
سبزائے خموشی ہے کہ ہے عالمِ تقریر
اے وادیٔ کشمیر!

تہذیب کے چہرے پہ بھی نمایاں ہے ترا نور
فطرت کے مناظر ہی نہیں ہیں تری تصویر
اے وادیٔ کشمیر!

تو ہند کے ماتھے پہ ہے اک تاجِ درخشاں
اور تاج بھی وہ تاج کہ ہے مایۂ توقیر
اے وادیٔ کشمیر!

مہجور ہے تیرے معدنِ معنی کا جواہر
چکبست تیرے جلوۂ صد رنگ کی تنویر
اے وادیٔ کشمیر!

سپرو کی زباں تیرے تمدّن کا نمونہ
مُلّا کا سخن تیری ہواؤں کی ہے تاثیر
اے وادیٔ کشمیر!

حسرتؔ ہو کہ مہجورؔ و غنیؔ ہو کہ ہو اقبالؔ
تیرے قلم کیف کی اِک شوخیٔ تحریر
اے وادیٔ کشمیر!

اُٹھیں گے ابھی اور تیری خاک سے فن کار
کرتا ہے ابھی اور دلوں کو تجھے تسخیر
اے وادیٔ کشمیر!

جو ڈل پہ چمکتا ہے پہاڑوں سے اُبھر کر
بن جا اُسی خورشیدِ جہاں تاب کی تنویر
اے وادیٔ کشمیر!

مہکے ترے باغوں کا شباب اور زیادہ
کچھ اور فزوں تری بہاروں کی ہو تاثیر
اے وادیٔ کشمیر!

آباد ہو کچھ اور ترا درد دلوں میں
کچھ اور دماغوں میں ہو پختہ تری توقیر
اے وادیٔ کشمیر!

تاثیر وہ اِک تیری ہواؤں کو ملی ہے
جو خاک تریاق کرے زہر کو اکسیر
اے وادیٔ کشمیر!

اللہ کرے جلد وہ دِن آئے کہ جِس دِن
چمکے تری دُنیا پہ مرے فکر کی تنویر
اے وادیٔ کشمیر!

ڈل کے کنارے ایک صُبح

جگن ناتھ آزاد

ذرا تو رحم کرو صُبح کی لطیف ہواؤ
جو بُجھ چکی ہیں وہ چنگاریاں پھر نہ سُلگاؤ
تھپک تھپک کے جن کو سُلایا دِقّت سے
اُن آرزؤں کو پھر میری روح میں نہ جگاؤ
مجھے یہ ڈر ہے کہ پھر سے کہیں سُلگ نہ اُٹھیں
بُجھے بُجھے سے یہ ویرانۂ جنوں کے الاؤ
بُجھا چُکا ہوں جسے اک طویل مُدت سے
وہ شمع پھر مری محرابِ شوق میں نہ جلاؤ
مٹے نہیں ہیں ابھی ذہن پر بنے تھے جو نقش
بھرے نہیں ہیں ابھی رُوح پر لگے تھے جو گھاؤ

ذرا بھی شوق تمہیں دِل میں ذکرِ ماضی کا
مجھے زمانۂ ماضی کی داستان سُناؤ
مجھے ہے ڈر کہ تمہارا یہ زمزمے کا خروش
یہ زیر و بم کا سلیقہ یہ نغمگی کا بہاؤ
مرے سکون کی دُنیا کو لے چلے نہ وہاں
جہاں بہت ہی کٹھن ہو روایتوں کا رکاؤ
سرور و کیفِ چمن میں بسے ہوئے جھونکو
بہت ہی دُور ہو تم مرے قریب نہ آؤ
فسردہ ہو بھی چُکا اب تو آرزو کا نکھار
شکستہ ہو بھی چکے اب تو زندگی کے بناؤ
یہ برگ و گُل نہ چھیڑو ترانہ ہائے گُل!
یہ شاخہائے شجر میں اُلجھ اُلجھ کے نہ گاؤ
نہ جانے دِل میں ہیں خوابیدہ کتنے ہنگامے
یہ خواب کچھ بھی سہی ان کو خواب سے نہ جگاؤ

●

جنّت کا گماں آج

شہ زور کاشمیری

ایں لالہ و گل رو کش حورانِ جناں آج
صد غیرتِ تسنیم ہے ہر جوئے رواں آج
ہر ایک شجر سورہ و طوبیٰ ہے یہاں آج
ہر شاخِ نشیمن پہ ہے گلبانگِ جواں آج
ہے وادیٔ کشمیر پہ جنّت کا گماں آج

غنچوں کے لبوں پر ہے محبت کا تبسم
سبزے کا سراپا ہے مسرت کا تبسم
ہر منظرِ گلشن ہے قیامت کا تبسم
کانٹوں نے بھی سیکھی ہے تبسم کی زباں آج
ہے وادیٔ کشمیر پہ جنّت کا گماں آج

گل خیز ہے گل بار ہے گل پوش ہے کشمیر
کیفیت و تنویر کی آغوش ہے کشمیر
ایک جلوۂ رنگین میں نوا جوش ہے کشمیر
کشمیر نہاں رہ کے بھی ہے خوب عیاں آج
ہے وادئ کشمیر پہ جنت کا گماں آج

صبحیں جو معطر ہیں تو شامیں ہیں منور
پُر کیف جو راتیں ہیں تو دن مست ہیں یکسر
ہر لمحہ جمیل و مترنم ہے سراسر
ہر آن طربناک ہے اور بادہ چکاں آج
ہے وادئ کشمیر پہ جنت کا گماں آج

مے ریز فضائیں ہیں گھٹائیں ہیں گہر بار
سرشار ہیں اشجار تو بدمست ہیں انہار
بارش کی چھما چھم ہے کہ پازیب کی جھنکار
ہے صحنِ چمن رقص گہِ زہرہ وشاں آج
ہے وادئ کشمیر پہ جنت کا گماں آج

خاموشئ اشجار میں ہے جوشِ تکلم
مستانہ ہواؤں میں ہے آہنگ و ترنم
جذبات کا کلیوں کے دلوں میں ہے تلاطم
نزہت کا سراپردہ ہے ہر کوہِ گراں آج
ہے وادئ کشمیر پہ جنت کا گماں آج

اطراف میں پھولوں کی مہک پھیل رہی ہے
ہر سمت عنادل کی چہک پھیل رہی ہے
صحراؤں میں گلشن کی لہک پھیل رہی ہے
ہے رقص میں تا حدِ نظر برق تپاں آج
ہے وادیٔ کشمیر پہ جنّت کا گماں آج

اللہ غنی دیر و حرم جھوم رہے ہیں
الطاف و کرم مل کے بہم جھوم رہے ہیں
ساغر کی قسم خم کی قسم جھوم رہے ہیں
تاثیرِ مئے شوق ہے ناقوس و اذاں آج
ہے وادیٔ کشمیر پہ جنت کا گماں آج

جلوؤں کے طلب گار ادھر بھی ہیں ادھر بھی
دِلدادہ و دِلدار ادھر بھی ہیں ادھر بھی
خوبانِ طرحدار ادھر بھی ہیں ادھر بھی
ہر ایک روش باغ کی ہے کوئے بتاں آج
ہے وادیٔ کشمیر پہ جنّت کا گماں آج

ہیں مست حسینانِ حیا دار چمن میں
پیتی ہیں مئے ناب لگاتار چمن میں
میں تو ہوں ازل کا ہی قدح خوار چمن میں
ہاں بادۂ سر جوش پلا پیرِ مغاں آج
ہے وادیٔ کشمیر پہ جنت کا گماں آج

پری محل

شہ زور کاشمیری

یاد ہے وہ وادیٔ کشمیر کی فصلِ بہار — جب جنوں انگیز تھا رقصِ وسرودِ جوئبار
نزہتیں مستی بداماں اور ابرِ کیف بار — جب عروسِ نو کی آرائش میں تھی مصروفِ کار
جب فضا میں رنگ بھرتے تھے گلوں کے قہقہے
ہر طرف نور آفریں تھے بلبلوں کے چہچہے
دامنِ کوہسار تھا آئینۂ نورِ ازل — دیکھ کر جس کو نکھرتے تھے حسیں ڈل کے کنول
ڈال کر میرے سکونِ دل میں یک گونہ خلل — لے گیا لطفِ بہاراں مجھ کو پریوں کے محل
عیش و عشرت کا سماں گو کیف پرور تھا وہاں
مانعِ نظارہ لیکن پردۂ در تھا وہاں

تین صدیوں قبل کے اس بھاری پردے کا اثر
ڈرتے ڈرتے میری ذوقِ دید نے سرکا دیا
گو اندھیرا تھا وہاں تھا شوق لیکن صبح زا
ایک رنگین ضو فشاں سورج سا روشن ہو گیا

دیکھتا ہوں اک جھرک ہے دبدبہ ہے، شان ہے
پردہ کے پیچھے محل ہے فقر ہے ایوان ہے

کوہ سبزہ پوش پر ہے ضو فگن قصر زری
طور کی بجلی ہے گویا محوِ جلوہ گستری
سبز جھاڑی میں ہے بیٹھی کوئی رنگین تیتری
یا زمرد زار میں ہے رقص فرما اک پری

چاند اترا ہے فلک سے سرزمینِ حسن پر
ثبت ہے یا قشقۂ رنگین جبینِ حسن پر

طور کی خوشبو یہ ہے ساری فضا مہکی ہوئی
انتشارِ کیف سے موجِ ہوا بہکی ہوئی
سرخ رنگوں سے ہے یوں خاکِ چمن دہکی ہوئی
ہو چمن میں جس طرح گل کی قبا لہکی ہوئی

رنگ و بو کا مجلہ نایاب زمانہ ہے تو یہ
نو عروسِ شام کا تصویر خانہ ہے تو یہ

بادۂ تقدیس کے بادل چھلکتے ہیں یہاں
گل چٹکتے ہیں یہاں بلبل چہکتے ہیں یہاں
نرم رو اور عطر زا جھونکے مہکتے ہیں یہاں
اور ملائیک وجد میں آکر بہکتے ہیں یہاں

ذہنِ شاعر کے تخیل کی یہ ایک تصویر ہے
یا حسین پریوں کے دلکش خواب کی تفسیر ہے

شام ہے اس گلکدے کی بے مثال و لاجواب
سنبلستانِ جہاں کا ایک نکھرا سا گلاب
ہے نمو کے جوش سے رنگِ سحر کی آب و تاب
یا کسی دوشیزۂ جنت کا ہے جوشِ شباب

ہر قدم پر ہے یہاں اک اہتمام رنگ و بو
ہر نہالِ نو کے ہاتھوں میں ہے جام رنگ و بو
ہر قدم پر ہیں یہاں فوارہ ہائے کیف تاب
بھرتے ہیں دامانِ گلشن موتیوں سے بار بار
بر لبِ طرز رو ما ینت ہیں جو ئبار و آبشار
اور ہے دھیمی سروں سے اُنکے گلشن نغمہ زار
یہ زمیں عرشِ بریں ہے رفعتِ تخئیل کی
دیکھ کر جس کو پھسلتی ہے نظر جبرئیل کی
حصرِ بوقلموں سے نکلا اک ہجومِ مہوشاں
قہقہوں کی نہر بکھیر رنگ و بو کا کارواں
ہر روش پر صحنِ گلشن کی ہوا وہ یوں رواں
خلد کی حوریں ہوں جیسے محوِ سیرِ کہکشاں
سینکڑوں انداز کی وہ نازنینیں شوخ و شنگ
اپنے ہاتھوں میں لئے دف اور رباب و ساز و چنگ
اپنے شیریں زمزموں کا کیف برساتی ہوئی
مستقل بجلی تبسم کی وہ چمکاتی ہوئی
کھلکھلاتی، گنگناتی رقص فرماتی ہوئی
اپنے چشمِ مست سے گلشن کو بہکاتی ہوئی
وہ حسیں پریاں گئیں اک نقرئی تالاب پر
ثبت کرنے اپنے جلوے شیشۂ سیماب پر
جا کے بیٹھیں حوض پر پھیلا کے پائے نازنیں
آہ وہ خوش رنگ پانی انکے عکسوں کا امیں
جیسے حوریں خلد کی کافرادا و دلنشیں
منزلِ مہتاب سے نظارہ افروزِ زمیں
مست اپنے حُسن کی مستی میں با ناز و ادا
گود میں لیکر ربابوں کی ہوئیں نغمہ سرا

حوض سے کچھ دور تھا اک نوجوانِ سبز نام[1] چور نشہ میں لئے ہاتھوں میں اپنے مے کا جام
تھا ادائے کج کلاہانہ سے آہستہ خرام چپکے سے اس کو کسی نے لے لیا پیچھے سے تھام

اور کہا کیوں کھیلتا ہے دین کے آئین سے
یہ کبھی دیکھا نہ جائے گا محی الدین[2] سے

دفعتہً برباد وعشرت کا ساماں ہوگیا ایک ہلچل مچ گئی گلزار ویران ہوگیا
یک بیک ویران وہ رنگین ایوان ہوگیا مسکنِ زاغ و زغن سارا پرستاں ہوگیا

جو ابھی اک بے بدل جنت بداماں باغ تھا
دم زدن میں وہ دلِ کشمیر کا اک داغ تھا

دم بخود تھا میں یہ محشر کے مناظر دیکھکر کیوں کھلا تھا یہ چمن اور کیوں ہوا زیر و زبر
قصرِ عالیشاں بنا کیونکر غبارِ رہ گذر دور سے کہنے لگا رو رو کے کوئی نوحہ گر

آہ یہ میری جوانی کا نرالا خواب تھا
کھو گیا خود اپنی ہی تعبیر میں کیا خواب تھا

ہوش کے آتے ہی تھیں مفقود وہ سب عشرتیں ہر طرف منڈلا رہی تھیں وحشتیں اس قصر میں
کاخِ ویراں میں جمی ہر سو تھیں کائی کی تہیں اُڑتی پھرتی تھیں ہواؤں میں چند اور چمگادڑیں

ہاتھ سے گویا کوئی پردہ اُٹھایا ہی نہ تھا
ہر طرف مکڑی کے جالے کے سوا کچھ بھی نہ تھا

[1]:۔ داراشکوہ جس نے پری محل کی عمارت بنوائی۔

[2]:۔ محی الدین اورنگ زیب جس نے داراشکوہ کو اس کی مذہبی آزاد خیالی کی وجہ سے ۱۶۵۹ء میں مروا ڈالا۔

تجمل کاشمر

تنہاؔ انصاری

پیامی فصلِ گُل کا آرہا ہے
نویدِ زندگانی لارہا ہے
جُدائی میں تری جانِ بہاراں
خیالِ سبزِ گُل تڑپا رہا ہے
اب آ بھی جا مری صُبحوں پہ ظالم
اندھیرا شامِ غم کا چھا رہا ہے
نقاب رُخ پہ اُلٹی کس نے توبہ!
فلک پر چاند بھی شرما رہا ہے

سبُو بر دوش وہ اُٹھیں گھٹائیں
بہک جانے کا موسم آرہا ہے
چٹک کلیوں کی ہے توبہ شکن وہ!
کہ زاہد خود بھی مچلا جا رہا ہے
چمن زاروں کا وہ رنگین تبسّم!
حیاتِ جاوداں دِل پا رہا ہے
زمین پر جھُومتے ہیں ماہ پارے
ستارے آسماں برسا رہا ہے
تجمّل کا تشمر کا اللہ اللہ!
کہ خود زُوماں بھی لہرا رہا ہے
علاجِ دردِ دِل اُف کچھ نہ پوچھو
یہ کم بخت اور بڑھتا جا رہا ہے
یہ تنہا جس کا بربادِ نظر ہو
کوئی کہدو کہ لو وہ آرہا ہے

جنّتِ کشمیر

علی جواد زیدی

میرے کشمیر! میرے خواب طرب کی تعبیر
آپ ہی اپنا جواب آپ ہی اپنی تصویر
پیکرِ حسن، ترا منظرِ گل بارِ نشاط
مصدرِ عیش، تری صنعتِ قالین و حریر
گنگناتے ہوئے چشمے ترے نغموں کی بہشت
لہلہاتی ہوئی کھیتی تری فطرت کا ضمیر
تیری رنگین روشوں پر رہے مصروف خرام
کتنے شاہانِ اولوالعزم و رئیسانِ کبیر
کتنے ہی عالم دین کتنے ہی اہلِ باطن
رات دن کرتے رہے عشق جنوں کی تفسیر

کتنے ہی فلسفی و شاعر و اربابِ قلم
لکھ گئے ہیں ترے ماتھے پہ خرد کی تحریر
پھر بھی ان گذری ہوئی صدیوں کی تابانی میں
در بدر پھرتے رہے تیرے عوامِ دلگیر
اک عجیب درد تھا پامالی و بدحالی کا
کند تھا تیشۂ تدبیر خفا تھی تقدیر
یہی کشمیر یہی روئے زمیں کی فردوس
سینۂ عصر میں تھا ایک کھٹکتا ہوا تیر
دوزخِ غربت و افلاس و مرض بہرِ عوام
جنتِ روئے زمیں بہرِ شہنشاہ و امیر
زندگی میں نہ کوئی رس نہ کوئی رنگینی
جیسے اک مٹتی ہوئی دھندلی سی پتھر کی لکیر
عشق بے ولولۂ زیست، جنوں سے بدتر
حسن بے خندۂ لب حسن کی زندہ تحقیر
ظلم اور جور سے بھرپور وہ بیتی صدیاں
بن گئیں پائے عمل کے لئے وزنی زنجیر

۲

پھر اس وادیٔ خاموش سے اک شور اٹھا
خوابِ خرگوش سے چونکے غم و حسرت کے غلام
ایک ہی مقصدِ محبوب کو سب لے کے بڑھے
اُٹھ گئے وقت کے میداں سے اندھیرے کے خیام
صبحِ امید کے اک جلوۂ نورانی سے
خود بخود ٹوٹ گیا رات کا مضبوط نظام
اپنے ہاتھوں میں لئے پرچمِ آزادیٔ فکر
بڑھ چلے سیل کی مانند، جواں عزم، عوام
تیز کیں ظلم نے بھی خون بھری سنگینیں
سامنے آنے لگے دار و رسن، دانہ و دام
عزمِ کہسار نے ہر سیلِ ستم کو روکا
مردِ واحد کی حکومت کی قریب آگئی شام
نوجوانوں کو نہ تھی ظلم و ستم کی پروا
جانتے تھے کہ ستم کو نہیں ہوتا ہے دوام
ایک ہی دھن تھی کہ اس وادیٔ گلبار میں ہو
اک نمائندہ و پائندہ حکومت کا قیام

۳

تیرے جمہور منانے ہی کو تھے جشنِ طرب
عالمِ نزع میں تھا دورِ ستم نظمِ کہن
قافلہ منزلِ مقصود تک آ پہنچا تھا
حملہ آور تری سرحد پہ ہوئے جب رہزن
بربریت کی نگاہوں میں چمن تھا صحرا
پھول مسلے گئے جھلسے گئے غنچوں کے دہن
باغ روندے گئے پامال ہوئی کشتِ عوام
پارہ پارہ ہوا فطرت کی پری کا دامن
شیروانی کا جواں عزم لئے سینوں میں
ارضِ جنت کی حفاظت کو بڑھے اہلِ وطن
گوشہ گوشہ ہے ترا اہلِ وفا کا مشہور
چپہ چپہ ہے ترا اہلِ ہوس کا مدفن
ہے زبان زد تری ہمت ترا سامانِ دفاع
فوجِ اغیار نے ڈھونڈے سے نہ پایا مامن
تیرے راہزن کو ملا خاک بجز راہِ فرار
تیری پامال زمیں سے تو آگے پھر گلشن

تو نے اک بار نئی شان سے انگڑائی لی
نظر افروز ہوا اور بھی فطرت کا جمال
بہرِ تدبیر خوشی ایک نئی نسل ہوئی
صدیوں کی غربت و افلاس سے مصروف جدال
نوجوانی کی بنی راہ گذر ۔ تازہ سرنگ
جہدِ انساں کا نیا حوصلہ پیر پنجال
تار پر دوڑ گیا موجِ ترقی بن کر
سینۂ سندھ میں مدفوں تھا جو بجلی کا جلال
لاکھوں فرہادِ محبت بہ دل تیشہ بدست
کوہساروں میں نئی نہروں کے بننے لگے جال
قصرِ خسرو کی وہ محبوس فضائیں نہ رہیں
اور دلکش ہوئے شیرینِ وطن کے خدوخال
ڈل کے آئینے میں ہیں آج ہزاروں جلوے
جن سے روشن ہے تمنائے فروغِ مہ و سال
تھا حسیں پہلے بھی کشمیر مگر سچ کہنا
تھا کہیں چہرے پہ یہ حسنِ عمل یہ حسن کمال

۵

مدتوں بعد جو آیا ہوں میں اس وادی میں
اک نیا حُسن نیا رنگ نظر آتا ہے
جن سیہ خانوں میں آہوں کا دھواں گھٹتا تھا
اب وہاں شغلِ دف و چنگ نظر آتا ہے
نوجوان نسلیں صف آراء ہیں غریبی کیخلاف
اک نیا ولولۂ جنگ نظر آتا ہے
سُن کے جہلم کے جواں سال ترانے پیہم
ایک نغمہ بہ لب گنگ نظر آتا ہے
طے ہوئے فاصلے صدیوں کے پلک جھپکانے
حالِ فرداسے ہم آہنگ نظر آتا ہے

●

جنّتِ نظیر

سلام مچھلی شہری

آج پہلے سے حسین تر ہے فضائے کشمیر
آج کچھ اور معطّر ہے ہوائے کشمیر
ایک سی نزہت و نکہت ہے چمن ہو کہ دمن
موجۂ گُل کا بھی رہبر ہے خدائے کشمیر

صُبح کچھ اور ہے اِس خلد کی ہے رات کچھ اور
ساز کچھ اور ہیں اِس بزم کے نغمات کچھ اور
دورِ دلکش کے تو پہلے بھی کچھ تھے دعویٰ دار
خالدِ وادیٔ کشمیر کی ہے بات کچھ اور

باہمہ جذبِ حسین عزم کی تنویر بھی ہے
روئے گُل شاخِ سمن شعلہ بھی شمشیر بھی ہے
اپٹمی دورِ سیاست کے خداؤ! سُن لو
ہند کشمیر کا ہے ہند کا کشمیر بھی ہے

مرحبا موسمِ گُل عزم جواں! زندہ باد
کاروانِ سمن و لالہ فشاں! زندہ باد
چھاؤں میں تیری جہاں چاؤں میں جنت ہے
اے مرے دیش کے سہ رنگ نشان! زندہ باد

●

مکالمہ - حبہ خاتون

کمال احمد صدیقی

یوسف شاہ :- یہ کنول زار یہ دل تیرا تمنائی ہے

حبہ خاتون :- ان چناروں میں تیرے سائے کی رعنائی ہے

یوسف شاہ :- دیکھ پھولوں میں تیرے حسن کی برنائی ہے

حبہ خاتون :- تجھکو دیکھا ہے تو پھولوں کو ہنسی آئی ہے

یوسف شاہ :- نرم گامی کا یہ عالم ترا اندازِ خرام
تیری رفتار کا تو ہنس بھی سودائی ہے

حبہ خاتون :- بے بہا یوسفِ بازارِ محبت ہے تو
تیری قسمت تو زلیخا کی زلیخائی ہے

یوسف شاہ :- مئے گلفام میں دیکھا نہ گل و لالہ میں
تیرے رخساروں میں جو رنگوں کی برنائی ہے

حبہ خاتون :- میرے سینے میں نہاں تیری محبت کا چمن
یہ میرا دل ہے کہ اک لالۂ صحرائی ہے

یوسف شاہ :- دیکھ گلنار میں بھی تیری جھلک ہے موجود
حُسن نے تیرے ہی جلوؤں سے جلا پائی ہے

حبہ خاتون :- تیری گفتار میں سنطور کی چھڑتی ہوئی لے
تیری آواز ہے یا نغمہ کی انگڑائی ہے

یوسف شاہ :- لالہ و نسترن و گل میں صباحت تیری
تیری زلفوں سے صبا عطر چرلائی ہے

حبہ خاتون :- حسن اور عشق کی پائندہ روایت ترا نام
ایک عالم ترا مشتاق ہے شیدائی ہے

یوسف شاہ :- یاسمن تیری نزاکت کا اک آئینہ ہے
چشمِ نرگس میں ترے جلوے سے بینائی ہے

کمال احمد صدیقی

زندگی موجِ مئی ناب کی مانند اُٹھی
برف پگھلی تو چٹانوں کے رگوں میں دوڑی
منجمند دھاروں نے انگڑائی لی کوہساروں میں
پھر بہار آگئی صحراؤں میں گلزاروں میں

آبشاروں کے خنک ساز رواں ہونے لگے
دشت و کہسار کے لب نغمہ فشاں ہونے لگے
لے اُڑنے لگا خاموش فضاؤں کا سکوت
وادیاں گونج اُٹھیں پازیب کی جھنکاروں سے
یہ فضا کون چرا لایا ہے سیّاروں سے

بانسری کی وہ مدھر تان وہ میٹھی آواز
دلِ انساں کی تمناؤں کا نوخیز گداز
دلِ گیتی کے دھڑکنے کی صدا بننے لگا
اس کے باوصف کہ ہیں انہیں کئی رنگ صدا
آدم و گیتی میں کس درجہ ہم آہنگی ہے
نکتۂ زیست سے اک ربط ہے یک رنگی ہے

عندلیبوں نے محبت کے ترانے چھیڑے
فرقتِ مے کے چکوروں نے فسانے چھیڑے

جس طرح نوح کا طوفاں گذر جانے پر
فاختۂ امن کا پیغام لئے آئی تھی
برگِ سرسبز کا انعام لئے آئی تھی
آج بھی برف کا طوفان گزر جانے پر
تازہ میوؤں، نئے موسم، نئی ہریالی کا

ابنِ آدم کے لئے فاختہ لائی ہے پیام

آسماں صاف ہے شفاف ہے نیلم کی طرح
غنچۂ گل پہ لرزتی ہوئی شبنم کی طرح
آفتاب اپنی شعاؤں میں لئے نورِ حیات

افقِ شرق سے ابھرا ہے جو اندازِ جبیں
یہی منزل کا نشاں ہے یہی راہوں کی دلیل

ذہنِ انساں میں نہیں کشمکشِ وہم و یقین
دھوپ سے دھل کے ہر اک چیز ہوئی اور حسین
ساقیٔ مہر نے دنیا کو سنائی ہے یہ بات
کوئی تمیز نہیں ہے میرے میخواروں میں
تشنہ لب آئیں پئیں خوب پئیں، خوب پئیں

یہ ہر اک سمت نظر خیز نظاروں کا سماں
جنکے دیکھے سے ہر اک جذبہ جواں ہوتا ہے
چہچہاتی ہوئی رنگیں پروں کی چڑیاں
جن پہ گلمرگ کے پھولوں کا گماں ہوتا ہے
دیکھ لے قوس قزح اسکو تو حیراں ہو جائے
اس کا ہر رنگ بکھر جائے پریشاں ہو جائے
آج سے پہلے بھی آئی ہیں بہاریں لیکن
آج سے پہلے بہاروں میں یہ رعنائی نہ تھی
اس قدر رنگوں میں تنظیم و دل آرائی نہ تھی
اس حسیں روپ میں پہلے تو بہار آئی نہ تھی
ان بہاروں کا انساں تماشائی تھا
لالۂ سوختہ دل لالۂ صحرائی تھا

آج انساں کی مشقت کی بہاریں ہیں رہین!
دستِ انسان ہی کی تابش سے بہاریں ہیں حسین
آج انسان کی محنت نے سنوارا ہے انہیں
اپنی ابرو کے پسینے سے نکھارا ہے انہیں
مدتوں خوں سے سینچا ہے جگر کاری کی
تب کہیں جا کے بہاروں میں یہ رنگ آئے ہیں
طرب افروز نگاروں میں یہ رنگ آئے ہیں
چاہے جس نام سے فطرت کو پکاریں لیکن
اک دلیل آج ہے انسان کی فن کاری کی
دستِ محنت نے حقیقت میں بدل دی تخئیل
آج انساں نے بہاروں کی بھی کی ہے تشکیل

نئی پوشاک میں ملبوس ہے ہر ایک درخت
کونپلیں جاگ اٹھیں کلیوں کو تبسم آیا
ہولے ہولے چلی گلشن میں بیاباں میں نسیم
پتیاں بولیں، فضاؤں میں ترنم آیا
نرگسِ شہلا کی آنکھوں میں بصیرت آئی
اور سوسن کو حسین طرزِ تکلم آیا

یہ مہکتے ہوئے میوے یہ مہکتے ہوئے پھول
یہ زمرد کا سمندر یہ پراسرار سکوں
ہائے جنگل کا یہ عالم کہ گلستاں شرمائے
یہ شگوفوں کی بہاریں یہ بہاروں کا فسوں
اور جنگل کے شفق رنگ گلابوں کی بہار
آئینہ بن گئی خود فصلِ بہاراں کے لئے
چند خطوں ہی کی جاگیر نہیں فصلِ بہار
سچ تو یہ ہے نہیں مخصوص گلستاں کے لئے
جب بھی آتی ہے بیاباں میں بھی آجاتی ہے

●

کمال احمد صدیقی

اے پوش نول تیرا اُڑنا یہ گاتے گانے
چرخے سے جیسے اُٹھیں ریشم کے نرم دھاگے

اونچے سروں میں گانا پریوں کو رشک آئے
پیڑوں کی چوٹیوں پر یوں گیت تو سُنائے
دل میں خوشی ہو رقصاں مستی فضا پہ چھائے
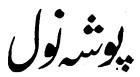
یہ کیسی شوخیاں ہیں اے طائرِ خوش الحاں
اے طائرِ خوش الحاں کیوں ہم سے ہے گریزاں

چمن میں آیا ہے کون ایسا مہماں طائر
کہ تجھ پہ طاری ہے یہ خوابِ بیکراں طائر
کہاں گئے وہ رس بھرے حسیں نغمے
کہاں گئیں وہ تری خوش نوائیاں طائر
سراپا سوز تجھے کس نے کر دیا خاموش
کہاں ہے آج ترا نغمۂ جواں طائر
سکون دکھ بھرے دل کا ترا ترنم ہے
ہے تیرا درد بھرا گیت جاوداں طائر
سراپا گوش ہوں میں تیرا گیت سننے کو
کوئی تو گیت سنا میرے راز داں طائر

سری نگر

نازش پرتاپ گڑھی

غریبِ شہر ہوں سمجھوں بھی میں تو کیا سمجھوں
کبھی ہے شہرِ نگاراں کبھی دیارِ جنوں
کبھی وہ صبح جسے پا کے بھی میں پا نہ سکوں
کبھی وہ شام کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں
کبھی ہے درد مگر وجہ درد کچھ بھی نہیں
کبھی بغیر سبب دِل کو بے پناہ سکون
کبھی یہ چاہوں کہ محفل میں بھی رہوں خاموش
کبھی یہ چاہوں کہ تنہائیوں میں شعر پڑھوں
کبھی خیال کہ رُک سی گئی ہے نفسِ جہاں
کبھی سوال کہ یہ کوئی خواب ہے کہ فسوں
ہر احتیاطِ نظر ہے شکست آمادہ
زبوں یہاں نظر آتی ہے فکرِ افلاطوں

یہ گام گام پہ تعمیرِ نو کے ہنگامے
یہ موڑ موڑ سے اُٹھتی صدائے کُن فیکوں
سلام تجھ پہ کہ تو ہے دیارِ امن و سکوں
سلام تجھ پہ کہ تجھ میں جواں ہے شغلِ جنوں
نہ اجنبی ہوں کہیں کے لئے بیگانہ
وطن کی گود میں چاہے جس جگہ رہوں
مرے حسین وطن کا ہے تو بھی ایک ٹکڑا
مرے لئے ہے ضروری کہ تجھ پہ جاں چھڑکوں
نہ آنے دوں کسی صورت بھی تجھ پہ آنچ کوئی
نگاہِ بد سے ہمیشہ تجھے بچا کے رکھوں
اور آج اپنے قلم اپنے ذہن کے ہمراہ
ترے حضور پھر اِک بار عہد کرتا ہوں
حفاظتِ وطن و قوم میں گزاروں گا
میں اپنے خون سے زلفیں تری سنواروں گا

اے وادیٔ کشمیر

نازش پرتاپ گڑھی

سلام وادیٔ کشمیر اے عروسِ زمیں
جہاں حسین ہے لیکن ترا جواب نہیں
ترا دیار ہے یا زندگی کا خوابِ حسیں
بجا کہا تجھے جس نے کہا بہشتِ بریں
ترے وجود سے قائم ہے نازِ معصومی
ترے شہود پہ خود روحِ ارتقا جھومی

سلام وادیٔ کشمیر خوب چیز ہے تو
نشین عرش ہے تیری زمین کی خوشبو
یہ اونچی اونچی چٹانوں کا سلسلہ لب جو
کہ جیسے شوخ نے بکھرے ہیں دوش پر گیسو
ہر اک گوشہ ترا عافیت کی منزل ہے
یہ خاک پاک ہے تیری کہ غازۂ دل ہے

یہ آبشار حسینوں کے گیسوؤں کی طرح
یہ چاکِ کوہ ہیں کھِلتے ہوئے لبوں کی طرح
یہ وادیاں کسی گُل رُو کے عارضوں کی طرح
وسیع تر ہیں جو ماؤں کے آنچلوں کی طرح
یہ رنگِ نغمہ تری ندیوں کا یہ بہنا
کہ بج رہا ہے کسی نوعروس کا گہنا
یہ کوہسار کہ ہیں رفعتوں کے نورِ نظر
جہاں پہنچ کے بلندی ہو بندگی گستر
یہ جگمگاتی ہوئی چوٹیاں ہیں خلعۂ زر
سلام کرتی ہے جھک کر جسے طلوعِ سحر
غلط کہا جو کسی نے کہا ہمالہ ہے
نثار کرنے کو دھرتی نے دِل اُچھالا ہے
یہ گوشے گوشے میں بکھری سی مُشکبوئے ختن
یہ ذرّے ذرّے میں گھُلتی ہوئی سی خوئے کرن
ترے کنار میں خوابیدہ رنگ و بُو کی دُلہن
ترا جوار ہے یا سانس لے رہا ہے چمن
یہ جگمگاتے نشکارے یہ صاف سینۂ ڈل
یہ حسنِ وادیٔ گلمرگ ہے کہ رُوحِ غزل

اک ایک موڑ پہ یہ جوئے بار مستِ خرام
کہ جیسے کرشن کی نظروں میں پریت کا پیغام
کچھ اِس نکھار سے آتی ہے اِس جگہ ہر شام
کہ جس طرح ہو مجسّم ہو رُباعیٔ خیام
یہ رنگ و نُور یہ نغمہ یہ زندگی کی ترنگ
کہ جیسے رقصِ بہاراں میں ایک حسین کے ڈھنگ
یہ کعبۂ غمِ دِل، حُسن و عشق کا سنگم
یہ اِک حسینۂ خلد نظر کا دامنِ غم
یہ نرم نرم سی ٹھنڈک یہ سرخوشی کم کم
یہ تیری صُبح ہے یا گُل یا قطرۂ شبنم
خمیر شعر میں یا جیسے نغمگی کا خیال
بشر کے ذہن میں جس طرح صُبحِ نو کا جمال
سلام وادیٔ کشمیر رشکِ خطۂ طُور
تری زمین حسیں ہے جواں ترے جمہور
تُجھی سے خاک کی زینت تو ہی زمیں کا غرور
تُجھی کو کہتے ہیں دھرتی کی مانگ کا سِندُور
سلام تُجھ پہ کہ اپنے وطن کا نام ہے تُو
سلام تُجھ پہ ہندوستان کی لاج ہے تُو

سلام تجھ پہ تری شمع کے اُجالوں پر
ترے حسینوں پہ تیرے پری جمالوں پر
سلام تیرے جوانوں پہ خوش خصالوں پر
سلام ہو تری وادی کے نونہالوں پر

زمین کے چہرۂ سادہ میں رنگ بھرتے ہیں
یہ لوگ وہ ہیں جو فطرت سے جنگ کرتے ہیں

زمانہ کرتا رہا ہے انہیں سدا ناشاد
بجا کہ وقت کے ہاتھوں ہوئے بہت برباد
مگر یہ شعلوں میں رہ کر بھی ہیں چمن ایجاد
فروغِ جذبۂ تعمیرِ ملک زندہ باد

کسی بھی موجِ بلا سے دبی نہ اُنکی اُمنگ
ہوا ہے اُن کے لئے موم سخت پارۂ سنگ

لہو پسینے سے پیدا کیا کہیں گلزار
کہیں تراش دیا بڑھ کے سینۂ کوہسار
غلط نہیں کہ یہ افراد ہیں زمانہ شکار
بجا ہے اِن کو کہیں ہم جو خلد کے معمار

ہر ایک سختیٔ جادہ کو دھول سمجھا ہے
چٹان راہ میں آئی تو پھول سمجھا ہے

یہ اپنے زخمِ جگر بڑھ کے خود ہی سیتے ہیں
یہ لوگ وہ ہیں جو زندہ مثالِ جرأت ہیں
تمام روز بھی لوگ صرفِ محنت ہیں
تمام شب یہی بزمِ سخن کی زینت ہیں
جفاکشی سے ہر اک دل کو رسم و راہ بھی ہے
ہر ایک سینہ میں علم و ادب کی چاہ بھی ہے
سُن اے بہشتِ زمیں صبحِ خُلد کی تصویر!
کچھ اور نکھار پر آئے گی تیری ہر تعمیر
کچھ اور جاگے گی تیرے دیار کی تقدیر
ہے تیرا قافلہ سالار خالدِ کشمیر
کرے گا نذر تجھے آسماں مہ و پروین
تیرے حضور جھکیں گے ادب سے اہلِ زمیں

حسنِ فطرت

ساحر لدھیانوی

کلکِ صنعت کی ہے نقاشی خطِ تقدیر میں
حرفِ "کن" ہے جلوۂ کونین اِس تحریر میں
ہیں حجاب و جلوہ روشن حسنِ عالمگیر میں
جسم و جاں ہیں جلوۂ جانانہ اِس تنویر میں
تھا حجابِ ہفت منزل پردہ دارِ رازِ عشق
حسنِ یوسف جلوہ گر تھا پردۂ تقدیر میں
تھی حجابِ جلوۂ جاناں نگاہِ شوقِ دید
جلوہ بے ذوقِ نظر تھا عالمِ تنویر میں
دیکھ کر حسنِ عقیدت رندِ آشام کا
ساقیانِ بزمِ جم ہیں جلوۂ تنویر میں
قطرۂ شبنم سے روئے گل ہے پاک و تابناک
آتشِ گل سے چمن ہے جلوۂ تنویر میں

داغِ عصیاں دھو دیا اشکِ ندامت نے میرے
ہوگئی تر دامنی گُم اشکِ دامن گیر میں

سوزِ اُلفت نے کیا ہے دِل کو آلائش سے پاک
خاکساری جلوہ گر ہے صورتِ اکسیر میں

خالِ مُشکیں ہے سوادِ چشمِ دل آئینہ تاب
پُر ضیا ہے مُصحفِ رُخسار کی تفسیر میں

اب تمنّائے گُل و گُلشن سے ہے افسردگی
ہے بہارِ بے تمنّائی دِلِ دلگیر میں

جلوہ ہائے گُل سے ہے ساحر وہ فردوسِ بریں
ایک بہارِ بے خزاں ہے گُلشنِ کشمیر میں

کشمیر چل

محمد عثمان عارف

قدرت کے منظر دیکھنے کچھ رنگ فطرت دیکھنے
اس دکھ بھرے سنسار میں خوشیوں کی جنت دیکھنے
اپنے سنہرے خواب کی رنگین حقیقت دیکھنے
کہتا ہے کوئی دوست یہ کشمیر چل کشمیر چل

بکھرے پڑے ہیں قہقہے گل پوش راہیں کوہسار
چھائی ہوئی ہیں مستیاں گاتے ہیں نغمے آبشار
ہیں گود پھیلائے ہوئے رنگیں چمن رنگین بہار
کہتا ہے کوئی دوست یہ کشمیر چل کشمیر چل

پھولوں کی اک دنیا ہے وہ کلیوں کی آبادی ہے وہ
یا چاند کی ملکہ ہے وہ پھولوں کی شہزادی ہے وہ
گیتوں کی اک بستی ہے وہ نغموں کی اک وادی ہے وہ
کہتا ہے کوئی دوست یہ کشمیر چل کشمیر چل

گھونگھٹ اُلٹ کر رکھ دیا خود حُسنِ فطرت نے جہاں
کہتا ہے ہر منظر حسیں دیکھو مجھے آؤ یہاں
سب زندگی کے کھیل ہیں پھر تم کہاں اور ہم کہاں
کہتا ہے کوئی دوست یہ کشمیر چل کشمیر چل

چل تو سہی کچھ دیکھ بھی کیسا ہے عکسِ طور دیکھ
میخانۂ مخمور دیکھ دُنیائے رنگ و نور دیکھ
سُنتا ہی آیا ہے ابھی کہتے ہیں کس کو حور دیکھ
کہتا ہے کوئی دوست یہ کشمیر چل کشمیر چل

●

ارضِ چنار

فضا ابنِ فیضی

گلمرگ و پہلگام یہ آپس میں ملے ہیں
اک عمر میں آہِ سحری نالۂ شب گیں
تھا جو ترے مستقبلِ زرّیں کی امانت
کس حال میں ہے اب تری زلفوں کا وہ نخچیر
یہ مہرِ ضیا بار اندھیرے میں ہے بسمل
کیا شب نے چلائے ہیں یہاں زہر بھرے تیر
بے سوز ہیں آزاد غلاموں کے نشیمن
لرزاں ہے یہاں نیتِ تخریب سے تعمیر
محکوم ضمیروں کے سلگتے ہوئے اوہام
کس تازگیٔ فکر و بصیرت کی ہیں تاثیر

ممکن نہیں پتھر کو ملے خوئے حریری
تنکوں سے سبک ہو نہیں سکتے کبھی شہتیر
پیدا ہیں وہاں آتش و آہن کے قرینے
شیشے کی لطافت بھی جہاں سنگ کی تعبیر
اندیشۂ تلخی تو گوارا بھی ہے لیکن
تلخابۂ خونین ہے عجم کا قدحِ شیر
ہیں زہر چکاں دین و سیاست کی فضائیں
شامل ہیں ابھی شمر کے خدام میں شبیر
اللہ رے یہ لذتِ محکومیِ جاوید
عاشق ترے سمجھے ہوئے ہیں زہر کو اکثیر
سینے ہیں تہی جراتِ اندیشہ سے جن کے
وہ رشتۂ گل کو بھی سمجھ لیتے ہیں زنجیر
آزاد ہو اس قیدِ مقامی سے نکل کر
گوہر ہے تو اپنے صدفستاں کا جگر چیر
رہ رہ کے جھلکتی ہے پڑھی جا نہیں سکتی
قطرے کی جبیں پر کسی طوفان کی تحریر

●

کشمیر

بدیع الزمان خاور

پربت کے شانوں پر ہیں اس کے برفانی بال
گیہوں جیسے اس کے بدن پر ہے سبزے کی شال
دھرتی کی اس حور کے جوڑے میں ہے ارنی مال

یہاں مچلتا ہے روز و شب کیاری کیاری رُوپ
یہاں ہیں چاندی جیسی راتیں یہاں سنہری دھوپ
یہاں کھڑے ہیں پیڑ قطاروں میں دربان سُروپ

آنکھوں کا سُرمہ بنتی ہے یہاں روش کی دھول
یہاں دلوں پر جادو کرتے ہیں نرگس کے پھول
اس خطے کے گلاب سارے جگ میں ہیں مقبول

جھرنوں کے سرگم ہیں یہاں ہیں کہساروں کے راگ
بُلبل کے ہونٹوں پہ یہاں ہیں گُلزاروں کے راگ
یہاں اُبلتے ہیں لہروں سے فواروں کے راگ!

یہاں مناتی ہیں مِل کر دوشیزائیں، تہوار
دودھ سے سینچے گئے ہیں اِس کے مہندی لگے چنار
اِس وادی کے باغوں میں ہیں نِشاط و شالامار

ڈل کی لہروں میں گاتے ہیں یہاں شِکارے گیت
یہاں اُبھرتے ہیں حبہ خاتون کے پیارے گیت
سری نگر کے بنجاروں کو یاد ہیں نیارے گیت

چھیڑتے ہیں نادم کے ترانے کِسان اور مزدور
بر ماتند کی لیلا کے ہیں بول یہاں مشہور
اِس محفل میں چہک رہے ہیں آزاد و مہجور

یہاں ہمیشہ لہراتی ہے ہوا جنوں انگیز
یہاں ہمیشہ منڈلاتی ہے گھٹا محبت تجیز
اِس وادی کے بُوٹے بُوٹے پر ہے رقم گلریز

حشر کے دِن تک رہیں سلامت اِس کے لالہ زار
یہاں چلے ہر عہد میں چشم و دِل کا کاروبار
آدمؑ و حوا کو راس آئے اِس جنت کا پیار

نیا کشمیر

رام کرشن مُضطر

رشکِ فردوس ہے ہر راہ گُزارِ کشمیر
ہے ہر اک غنچہ و گُل آئینہ دارِ کشمیر
کائناتِ دل و دیدہ ہے نثارِ کشمیر
رقص کرتی ہے نگاہوں میں بہارِ کشمیر
نشۂ حُسن ہر اِک رُوح پہ چھاجاتا ہے
چار سُو جلوۂ صد رنگ نظر آتا ہے

۲

بزمِ آفاق میں ایسی کوئی تصویر نہیں
ہے یہ شاعر کے حسین خواب کی تعبیرِ حسیں
جس کے قدموں پہ جھکاتا ہے فلک اپنی جبیں
حُسن والوں کا وطن اہلِ محبّت کی زمیں
ناز و انداز کی دُنیا ہے یہ دلکش وادی
جس طرف دیکھیے پھولوں کی ہے اِک آبادی

۳

کوہساروں کا سماں اور یہ اشجار کا حُسن
یہ پرندوں کی صدائیں یہ چمن زار کا حُسن
مُسکراتے ہوئے خوبانِ طرح دار کا حُسن
گیت گاتے ہوئے لب ہائے فسُوں کار کا حُسن
جوش و مستی میں مچلتی ہوئی نیلی جھیلیں
دِل میں طوفاں اُٹھاتے ہوئے اُٹھتی ہیں لہریں

۴

سینۂ آب پہ گلپوش سفینے ہیں رواں
محوِ نظّارہ ہیں وہ سرو قداں خوش چشماں
لالہ رویان و سمن بر ہیں یہ ہر سُو نگراں
عشوہ و ناز و ادا پر ہے فدا قلبِ جواں
عالمِ شوق پہ پڑتی ہے غزالوں پہ نظر
ناچ اُٹھتا ہے مسرّت سے دِلِ کیف اثر

۵

رُوح افزوں ہے یہ تعمیر و ترقّی کا جمال
جلوہ افروز ہے آئینۂ مستقبل و حال
قابلِ قدر ہے یہ صنعت و حرفت کا کمال
کامیابی کی نئی رُوح سے درخشاں ہے خیال
اہلِ کشمیر کا یہ دورِ عروجِ تازہ
زندگی کے رُخِ رنگین کا ہے زرّیں غازہ

۶

دورِ بیداریٔ احساس یہ تعلیم کا دور
درس گاہوں کا فروغ اور یہ تنظیم کا دور
یہ ہر اِک شعبہ ہر اک راہ میں تقدیم کا دور
دورِ کشمیر ہے یہ عزّت و تکریم کا دور
دورِ جمہور ہے کشمیر کا دورِ تاباں
جگمگا اُٹھّے ہیں سب جادۂ منزل کے نشاں

۷

ہوتی جاتی ہے یہ تاریکیٔ افلاس بھی دُور
ہوتا جاتا ہے مصائب کا اندھیرا کافور
کامرانی کی مسرت کا ہے آنکھوں میں سُرور
بادۂ نور سے پیمانۂ دِل ہے معمور
اِس نئے دور کی ہر بات میں ہے حُسنِ ثبات
جِس نے کشمیر کو بخشا ہے نیا رنگِ حیات

۸

کاشتکاروں کو ثمر ملنے لگا محنت کا
اہلِ کشمیر پہ در باز ہُوا دولت کا
رُوحِ بیمار کو پیغام مِلا صحّت کا
آج آغاز ہوا ایک نئی طاقت کا
یہ ترقی، یہ نیا روپ، یہ طاقت، یہ وقار
منزلِ اوج پہ ہیں قصرِ وطن کے معمار

۹

اہلِ کشمیر کی آنکھوں کا ہے تارا کشمیر
یہ طرب خیز و دِلآویز و دِلآرا کشمیر
ہم کو ہر حال میں ہے جان سے پیارا کشمیر
ہو نہیں سکتا جُدا ہم سے ہمارا کشمیر
ہم اسے قبضۂ دشمن میں نہ جانے دینگے
پاؤں اغیار کے اِس سمت نہ آنے دینگے

۱۰

ہند و کشمیر کا الحاق ہے اِلحاقِ قدیم
ہم کو منظور نہیں اپنے وطن کی تقسیم
اہلِ کشمیر کا ہر عزم ہے عزمِ صمیم
خود ہی مِٹ جائیگا کیا ہم کو مٹائیگا غنیم
اپنے جاں باز سپاہی ہیں حدوں کے نگراں
جنگ بازوں کا نہ چھوڑینگے کہیں نام و نشاں

۱۱

ہند تابندہ ہے کشمیر بھی تابندہ ہے
حوصلے زندہ ہیں احساسِ خودی زندہ ہے
چہرۂ قوم درخشندہ و رخشندہ ہے
ہند قایم ہے تو کشمیر بھی پائندہ ہے
سر بکف رہتے ہیں ہم اسکی حفاظت کے لئے
زندگی وقف ہے کشمیر کی خدمت کے لئے

ارضِ کشمیر

حیات وارثی

ارضِ کشمیر اے حُسنِ فطرت کی جان
تیرا گُلزار رہے بے نیازِ خزاں
دیکھ کر تجھ کو اے مرکزِ گُل رُخاں
فکرِ شاعر کو آتی ہیں انگڑائیاں
رہگزاریں تری کہکشاں کہکشاں
مانگ جیسے نکالے ہوئے گوریاں
ڈل کی آغوش میں تیرتی کشتیاں
جس طرح محوِ گُل گشت شہزادیاں
اتنی دلکش ہے شیریں ہے تیری زباں
جیسے شفّاف جہلم کی موجِ رواں

بادلوں کی ردائیں ہیں اوڑھے ہوئے
کوہساروں کی تیرے حسیں چوٹیاں
آبشاروں کے نغموں کی وہ دلکشی
ہر طرف جیسے بجتی ہوں شہنائیاں
نیند آجائے فرقت نصیبوں کو بھی
یوں سُناتی ہے بادِ صبا لوریاں
دیکھ کر تیرے گلمرگ کی دلکشی
حسنِ فطرت بھی لیتا ہے انگڑائیاں
اس طرح وادیاں تیری گلپوش ہیں
جیسے شالوں میں لپٹی ہوئی گوریاں
میں نے حیرت سے دیکھا پہلگام میں
پگھلی چاندی کا بہتا ہوا کارواں
گلشنِ بے خزاں تیری آغوش میں
پھول بھی شادماں خار بھی شادماں
صبح تیری بنارس کا منظر لیے
شام میں وہ اَودھ کی حسیں جھلکیاں
رات بکھری ہوئی زُلفِ بنگال ہے
دن میں دہلی کی عظمت کا جلوہ نہاں

کشمیر

مہندر رینہ

ارضِ کشمیر پکاروں تجھے کس نام سے میں
ماں کہوں، پیار کہوں، پیار کا ساماں سمجھوں
تجھ کو محبوب کہوں یا کہ نگارِ گیتی
یا مسیحائے زماں درد کا درماں سمجھوں

ابنِ آدم نے تجھے جنّتِ ارضی جانا
حُسن کاروں نے تجھے حُسن کا سامان سمجھا
دیدۂ عشق نے بھی بزمِ نگاراں سمجھا
تو بہاروں نے تجھے جانِ بہاراں سمجھا

دُودھیا چشمے مچلتے ہوئے کہساروں میں
زینتِ شعر ہے نطق بنے ساز بنے
سرو شمشاد نے بخشا ترے قامت کو وقار
لالہ و گُل سے ترے حسن کے انداز بنے

دُور تا حدِ نظر دھان کے کھیتوں کے قطار
جیسے فطرت کی حسینہ کا مچلتا آنچل
صاف شفّاف سی جھیلوں کا سماں کیا کہیئے
جن میں رقصندہ ہیں رنگین و دلاویز کنول

اور وہ جہلم کی روانی کہ خرامِ محبوب
کھینچ لیتی ہے جو اِنسان کے دِل کا دامن
سینۂ کوہ پہ پھیلی ہوئی ہماری مرگیں
جن کے پہلو میں مہکتے ہیں سُہانے گلشن

مرغزاروں میں لہکتے ہوئے پھولوں کا سماں
دِل عاشق کی تمنّائیں اُبھر آئی ہیں
یہ گُل و لالہ و نسرین یہ شگوفے یہ بہار
آرزوئیں ہیں کہ لہرا کے نکھر آئی ہیں

آبشاروں میں ہے پگھلی ہوئی چاندی رقصاں
تیرے پانی میں ہیں دولت کے خزینے پنہاں
تیرے صحراؤں کے ذرّے ہیں سراسر اکسیر
تیری مٹی پہ ہیں قارُوں کے خزینے قُرباں

زندگی حُسن کے سانچے میں ڈھلی ہے ہر سو
گویا سرشار جوانی پہ کبھی چھائی ہے بہار
چارسُو زیست کے نغموں کی فراوانی ہے
کہیں ملہار کی تانیں کہیں گاتی ہے ہزار

حُسن ہی حُسن ہے تو حُسن کا شہکار ہے تو
زینتِ بزم جہاں گرمیٔ گُفتار ہے تو
دِل کی دھڑکن میں جو رقصاں ہے وہی پیار ہے تو
سچ تو یہ ہے کہ مرے عشق کا اقرار ہے تو

●

ساحلِ جہلم

مہدی نظمی

وہ وادیٔ کشمیر وہ جنّت کا نظارہ
جیسے چمنِ خُلد میں کوثر کا نظارہ
قدرت نے روش باندھی ہے رنگین گُلوں کی
ہیں زینتیں کہسار کی تزئین گُلوں کی
وہ سبزۂ نوخیز سرِ ساحلِ دریا
جیسے کہ ہرے اُون کا باریک دوشالا
وہ سیدھے سپیدوں کے شجر حدِ نظر تک
تاثیرِ نمو رکھتا ہے پتھر کا جگر تک
وہ برف وہ پربت وہ سپیدی وہ اُجالا
جیسے کہ قدِ ناز پہ ململ کا انگرکھا
پربت کی چٹانوں سے اُبلتے ہوئے جھرنے
لہروں کی رِدائے رنگ دی صبا نے نم ہی نے

صورت ہی نہیں کوئی یہاں رنج و الم کی
کھینچ آئی ہے ہر موج میں تصویر ارم کی
وہ شاخِ تر و تازہ میں کلیوں کا چٹکنا
وہ گونجنا قمری کا وہ بلبل کا چہکنا
وہ اوٹ میں ساحل کی مچلتا ہوا پانی
جیسے کہ اُمڈتی ہوئی بھرپور جوانی
وہ مچھلیاں خوش رنگ جو پانی میں مگن ہیں
نازک ہیں طرحدار ہیں موجوں کی دلہن ہیں
وہ کھینچی ہوئی تان وہ مانجھی کے ترانے
پانی کی ہر اک موج سناتی ہے فسانے
وہ ساحلِ دریا وہ شکاروں کی قطاریں
یا دامنِ امواج میں رقصاں ہیں بہاریں
پھولوں سے بھری کشتیاں پانی میں رواں ہیں
یا پیکرِ تصویرِ محبت کا سماں ہیں
پانی کی روانی میں ہے تکبیر کی آواز
ہر موج میں ہے رشتۂ تسبیح کا انداز
محراب بنی جاتی ہے ہر موجِ خمیدہ
ہیں بلبلے جیسے کہ نشانِ سرِ سجدہ

فردوسِ نظر حُسن و محبت کا سماں ہے
ہر چیز جہانگیر ہے یا نورِ جہاں ہے
یہ حُسنِ نظارہ تو کہیں اور نہیں ہے
سچ ہے کہ سرِ خاک یہ فردوس بریں ہے

غزل۔ بہاریہ

شوریدہ کشمیری

یہ کاشمیر ہمارا ہزار شیوہ ہے
کہ اس چمن کی خزاں بھی بہار شیوہ ہے

شگوفہ و گل و غنچہ کی دیدنی ہے بہار
شجر شجر کا ۔ ساو سنگار شیوہ ہے

ابھی ہے چھاؤں ابھی دھوپ ابھی گھٹا ابھی مینہ
مزاجِ حسن بھی کیا بے شمار شیوہ ہے

صدائے نغمۂ بلبل ادائے جلوۂ گل!
جو دلفگار ہے وہ بھی نگار شیوہ ہے

مہک رہے ہیں مہکتے گلوں کے رخسار
نسیم شوخ کا بوس و کنار شیوہ ہے

جمالِ سبز کی جلوہ گری ہے فصلِ بہار
جہاں بھی سبزہ ہے گیسوئے یار شیوہ ہے

ہے ساز باز بھی صیاد اور گلچیں میں
بہم دگر گل و بلبل کا پیار شیوہ ہے

بلا رہے ہیں چمن میں یہ کس کو مدت سے
نواں گراں چمن کا پکار شیوہ ہے

گلاب بیٹھے گا پھر کرسی صدارت پر
ہر اک جوان چمن جاں نثار شیوہ ہے

دلوں کی ہو وہ گلابی گلوں کی پالاتی
یہ باغِ رنگ ہمیشہ بہار شیوہ ہے

زمین تازہ میں شوریدہ کا بہاریہ ہے
ہزار گائے کوئی وہ ہزار شیوہ ہے

●

سیبِ عنبریں

شوریدہ کشمیری

اے سیب عجب تو خوشنما ہے
رنگین و حسین و دلکشا ہے

تو اصل میں کشتۂ طلا ہے
اکسیر ہے بلکہ کیمیا ہے

بازار ہوسرد ڈاکٹر کا
جاں دادہ وہ تو کہ جانفزا ہے

ظاہر میں ہے رنگ و بو سراسر
باطن میں تو شہد سے بھرا ہے

نظارہ سے تیرے یاد مجھ کو
رخسارِ نگار آ رہا ہے

تجھ سے جو ہوں ہزاروں شجر پر
تو لالہ رخوں کا جمگھٹا ہے

بے رنگ سی شاخ تو پھوٹے — یہ کس کے کمال کی ادا ہے
انسان بنا سکے اٹم بم — صنّاع ترا فقط خدا ہے
پھل دیتا ہے چودہ سال کے بعد — بوٹا ترا آدمی ہے کیا ہے؟
دیکھا ہے بخواب جس نے تجھ کو — فرزند اُسے عطا ہوا ہے
حق نے تجھے دی ہے زیب و زینت — کیونکر نہ کہیں تو حق نما ہے
بلبل ہے اگرچہ گل کا شیدا — تجھ کو بھی مگر وہ چومتا ہے
لاریب اے شیب عنبریں تو! — میووں کے جہاں کا پادشا ہے
دلدادہ ہے جس کی ساری دنیا — کشمیر کا تو وہ دلربا ہے
ہاں خطۂ خاص شوپیاں کا — تجھ پر کرے ناز تو بجا ہے
لیکن یہ ہوا چلی ہے کیسی — کمیاب تو بیش ہو رہا ہے
رہتی ہے مجھے تلاش تیری — تو عید کا چاند ہو گیا ہے
پھولیں پھلیں تیرے باغ ہر سال — درویش کی اور کیا دعا ہے

رطب اللساں آم کے ہیں غالب
شوریدہ کو ذوق بس ترا ہے

●

حبّہ خاتون

ماخذ از او پیرا "ملکۂ شعر و سخن حبّہ خاتون"

رفعت سروش

یہ خطۂ کشمیر ہے جنّت کی اِک تصویر
انسانیت کی داستاں ہر ذرّے پہ تحریر
رنگین یہاں کی وادیاں جیسے حسین شہزادیاں
تاریخ کے دِلکش ورق اِس کوہ کی آبادیاں
گلزار در گلزار یہ کس شوخ کی تنویر ہے
یہ جنّتِ کشمیر ہے

یہ اہلِ دِل کی سر زمین ہنستے گلابوں کا چمن
گہوارۂ حسنِ طرب یہ ماہ پاروں کا وطن
قدرت نے دست ناز سے کھینچی یہ وہ تصویر ہے
یہ جنّتِ کشمیر ہے

اِٹھلاتی ہے بادِ صبا گاتی ہے نغماتِ وفا
ہیں طائرانِ خوش نوا شیریں سخن شیریں ادا
ہو موجِ صہبا کا گماں پانی میں وہ تاثیر ہے
رقصاں و خنداں آبجو کرتی ہے دِل سے گفتگو
چشمے ہیں سرگرداں یہاں کرتے ہیں کِس کی جُستجو
خوابِ نگاہِ شوق کی حیرت فزا تعبیر ہے
یہ جنّتِ کشمیر ہے

اِسی گلزار کا اِک پھول ہے حبہ خاتوں
"پاننہ چھک" میں ہے وہ جہلم کے کنارے مدفوں
ملکۂ خطۂ کشمیر تھی وہ ماہ لقا
تھی وہ اِک شاعرہ شوخ بیاں شوخ ادا
اُس کے نغموں کے لبوں پر تھی نوائے فریاد
دِل کے دامن میں تھی ایک درد کی دُنیا آباد
مئے عرفانِ محبت کا تھا آنکھوں میں سرور
تلخیٔ زیست نے بخشا ہے اُسے جینے کا شعور
جسم فانی تھا مگر رُوح ہے اسکی زِندہ
موجِ نغمات کی صورت ہے سدا پائندہ

کشمیر

رفعت سروش

آماجگاہِ نور ہے کہسارِ ہمالہ
ہے غیرتِ صد طور یہ بھارت کا شوالہ
کہسار نہیں، تاجِ وطن، امن کا ہالہ
صہبائے محبت کا چھلکتا ہوا پیالہ
کشمیر ہمالہ کا دھڑکتا ہوا دل ہے
اِس وادی کا ہر پھول مہکتا ہوا دل ہے

اِس وادی کی تاریخ اخوّت کا فسانہ
اِس وادی کا ہر نغمہ محبت کا ترانہ
اِس وادی کا ہر ذرّہ معانی کا خزانہ
اِس وادی کی تہذیب کو دیکھا ہے زمانہ
یہ وادیٔ گُل آج بھی گلزارِ ارم ہے
اِس وادی کا ہر پھول بہاروں کا صنم ہے

شبِ شالیمار

سید اکبر جے پوری

کل شام جب ہوائیں سوئے باغ گامزن
آیا نظر عجیب مجھے منظرِ چمن
ظاہر تھے پتے پتے سے آثارِ برقِ طور
تابندہ ذرّے ذرّے میں تھی نور کی کرن
وہ شور زمزموں کا، ترانوں کی دھوم دھام
مستی میں مطربانِ خوش آواز نغمہ زن
جھرمٹ وہ نازنینوں کا، فواروں کے قریب
ناوک فگن وہ اُن کی نگہ ہائے پُر فتن
وہ قمقموں کا نور، وہ رنگین بجلیاں
وہ لعل، وہ زمرّد و نیلم کا بانکپن
چھایا ہوا فضاؤں میں نورِ جہاں کا نور
روحِ سلیم باعثِ صد زینتِ چمن

فوّاروں نے لُٹایا تھا کچھ مال اِس قدر
اِس طرح گھاس پر تھے پڑے گوہرِ عدن
نظریں نہ جس پہ جسم کے ہیٹیں وہ بہارِ خُلد
نیرِ مژہ کہ دِل کی تہوں میں ہو نیش زن
بارہ دری کی رونقِ انوار دیدنی
بیٹھی ہو جیسے قیصرۂ تاجِ گُل بدن
ہر ایک نخل جلوہ نُمائی میں نخلِ طور
ہر ایک شاخ حسن و نزاکت میں اِک دُلہن
گُلشن میں نغمہ ریز ہے یوں رُوحِ تان سین
آئے ہوئے ہوں سیر کو "اکبرؔ" کے نو رتن
بھڑکی ہوئی تھی شعلہ صِفت شاخہائے گُل
آتش زدہ مکان کی تصویر تھا چمن
تابان مِثالِ ماہ ہیں، بام و در تمام
تھی شش جہت میں شمع بَہ طورِ ضُو فگن
کوئل جما رہی تھی کہیں محفلِ سُرود
دلچسپ نَے میں قمری و بُلبل تھے نغمہ زن
غنچہ دہن جو سیر کو آئے تھے باغ میں
کلیاں تھیں اُن کے حُسن و نزاکت پر خندہ زن

تفریح بخشِ قلب و جگر وہ ہوائے سرد
دامن کشِ نگاہ وہ نسرین و نسترن
پہلو میں ٹھہرتا ہی نہ تھا بے قرار دِل
رکھتا تھا جذبِ روئے صنم برگِ یاسمن
نرگس یہ کہہ رہی تھی اِشاروں سے آنکھ کے
بے قدر آج دہر میں ہے سامری کا فن
تھا قامتِ دراز پہ شمشاد کو غرور
کیا کیا اکڑ اکڑ کے دِکھاتا تھا بانکپن
ہموار قدِ سرو، وہ سنبل پہ پیچ زُلف
مجنونِ عشق کے لئے اِک دار اِک رسن
لالہ کا جام پُر تھا شرابِ نشاط سے
تھا چال میں نسیم کی، میخوار کا چلن
وہ غنچۂ شگفتہ کا عالم نہ پوچھئے
پیشِ نگاہ تھا کسی محبوب کا دہن
سبزہ لہک لہک کے جتاتا تھا بار بار
بیدار ہوشیار ہے، خوابیدۂ چمن
دھو کے میں آئینہ کے سنواری تھی کس نے زُلف
کھا کھا کے بل چمن میں جو نہریں تھیں موجزن

پھیلی ہوئی فضائے گلستاں میں وہ مہک
شرمندہ جس کے سامنے ہو نافۂ ختن
حاصل نہ بلبلوں ہی کو تھا وصلِ گل کا لطف
کثرت سے انبساط کی، گل بھی تھے خندہ زن
آتا تھا یاد نہر میں گرداب دیکھ کر
روشن مثالِ مہر کسی کا چاہِ ذقن
اُٹھ اُٹھ کے دیکھتے تھے بہارِ چمن حباب
نشہ میں جھوم جھوم کے تھی جھیل موجزن
آیا ہے یوں شباب پہ کشمیر کا نکھار
جنّت پہ خندہ ریز ہے آرائشِ چمن

مطلعِ ثانی

پوشیدہ ہے کہاں مرے ساقی نسیم تن
ہے کب سے خشک، دیکھ تو میخوار کا دہن

صدمے اُٹھائے ہیں غمِ دوراں کے اِس قدر
ہوں خستہ قلب، خستہ جگر اور خستہ تن
صدقے میں چشمِ مست کے وہ جام کر عطا
کافور جس کو پی کے ہوں سارے غم و محن

ساقی تری اداؤں نے کافر بنا لیا
یہ حُسن، یہ شباب کا عالم یہ سادہ پن
اللہ بڑھائے اور بھی تیرا خُمارِ چشم
پُر پیچ اور بھی ہو تری زُلف پُر شکن
دل را بدست آر کہ این حج اکبر است
دلدار بن کے اب نہ خدا را ہو دل شکن
خیرے بکُن اے حبیب و غنیمت شمار عُمر
کل یہ نہ ہوں گے اور نہ یہ شمعِ انجمن

چاندنی رات میں جھیل ڈل کا نظارہ

سیّد اکبر جے پوری

ڈل کا جمال چاندنی راتوں میں آکے دیکھ
خوشبو سے رنگ و نور سے آنکھیں مِلا کے دیکھ
تابِ نِگاہ و ہوشِ خرد آزما کے دیکھ
اِس خُلد کے فسوں کو نظر میں بِٹھا کے دیکھ

عکسِ بہشت و خُلد ہے اِس جھیل سے عیاں
ہر موج میں ہے کیفِ دو عالم رواں دواں

یہ جھیل مہر و مہ کا ہے پَرتَو لئے ہوئے
اَنمول روشنی کی حسین ضُو لئے ہوئے
ہر لحظہ اِک شگفتگیٔ نَو لئے ہوئے
ہے ایک زندگی کی جواں رَو لئے ہوئے

تاریخِ دلکشی کا بھی عنوان یہ جھیل ہے
اِک بے مثال نعمتِ یزداں یہ جھیل ہے

ڈل زندگی کی نکہتِ پرّاں کا نام ہے
ڈل کائناتِ صُبحِ درخشاں کا نام ہے
ڈل اِک نشاطِ عالمِ امکاں کا نام ہے
ڈل انبساطِ رُوح و دِل وجاں کا نام ہے

یہ جھیل ڈل، کہ عظمتِ آبِ حیات ہے
دِل مانتا نہیں ہے کہ یہ بے ثبات ہے

تاروں کا رقص، ناچتی موجوں کا زیر و بم
ہوتے ہیں کیسے کیسے مناظر یہاں بہم
قصرِ حباب، آئینہ خانے خُدا قسم
آبِ رواں، کہ چادرِ خوشبوے دمبدم

یہ حُسنِ لازوال، شبِ ماہتاب ہیں
جیسے کوئی اُمنگ ہو عہدِ شباب ہیں

یہ چاندنی یہ حُسن یہ عالم نکھار کا
جیسے کسی نے کھینچا ہو خاکہ بہار کا
جھونکوں میں اِک سرور مئے خوشگوار کا
آنکھوں میں کیوں نہ رنگ ہو دِل کے قرار کا

کیف و نشاطِ جاں، یہاں محوِ خرام ہے
فطرت کا اہتمام بھی کیا اہتمام ہے

کیفیتِ حسین کا خزانہ یہ جھیل ہے
تاروں بھری فضا کا فسانہ یہ جھیل ہے
تزئینِ دہر و فخرِ زمانہ یہ جھیل ہے
شب تاب یربطوں کا ترانہ یہ جھیل ہے

ماہ و نجوم و کاہکشاں کا جمال ہے
اِس جھیل کو فنا نہیں یہ لازوال ہے

یہ جھیل عشق و نغمہ کا مسحورکُن نشان
اِس سے عیاں ہے حَبّہ و یوسف کی داستان

بڈشاہ کے جزیروں کی یہ جھیل راز دان
تاریخِ کاشمیر کا خاموش ترجماں

ہے آستانِ حضرت بل اس سے ہمکنار
اِس آستاں کا روپ ہے تقدیس کی بہار

گل پوش شالیمار و نشاط و نسیم ہیں
یہ سب ثبوتِ لطفِ خدائے کریم ہیں
ہیں تازگی بدوش اگرچہ قدیم ہیں
سچ پوچھئے تو حُسنِ ازل کے ندیم ہیں

سیاح کی نگاہ کا تارہ یہ پھول ہیں
اِک سیلِ رنگ و بُو کا نظارہ یہ پھول ہیں

سبزہ، چنار، پھول، شگوفے، خُنک ہوا
نکہت پذیر چاند ستاروں کی ہر ادا
رنگین و رنگ بار مہکتی ہوئی فضا
ہر سمت ایک نُور صباحت چکاں ضیا

راتوں کی چاندنی میں یہ نظّارہ جھیل کا
ہر آبدار قطرہ ہے مہ پارہ جھیل کا

یوں جھیل میں رواں ہے تُشکارا آب و تاب
شب کی فضا میں جیسے اُبھر آئے آفتاب
یا تیرتا ہو چرخِ مُنوّر پہ ماہتاب
یا نغمگی فروز ہو، کوئی حسین رباب

ڈل جھیل ہے بہشت کا مفہوم دلپذیر
یہ جھیل بے مثال ہے، یہ ڈل ہے بے نظیر

کشمیر کا جمالِ دل آرا یہ جھیل ہے
ہر رات کا حسین ستارا یہ جھیل ہے
آنکھوں کا نُور رُوحِ نظارا یہ جھیل ہے
شادابیٔ حیات کا دھارا یہ جھیل ہے

کیف و سُرور و شوق کا عالم ہے ہر طرف
شہزادیاں نشاط و طرب کی ہیں صف بہ صف

ہے چاندنی میں ڈل کا نظارہ نظر نواز
ہر موج کا لطیف اِشارا نظر نواز
لہریں سکوں طراز، کنارا نظر نواز
اِک بہتے نور کا ہے یہ دھارا نظر نواز

ڈل جھیل سچ ہے آبِ بقا ہی کا نام ہے
کشمیر کا یہ ایک سُہانا مُقام ہے

دیکھا ہے ڈل نے مہر و جہانگیر کو یہاں
کتنے بڑے شرف کا ہے گویا یہ اک نشاں
بھولا نہیں سُہانی سی راتوں کا وہ سماں
ہیں یاد اُس کو ساری پُرانی کہانیاں

ہر بوند لفظ لفظ کی تنویر بن گئی!
یہ جھیل بھی صحیفۂ کشمیر بن گئی!

شامِ شالیمار

قیصر قلندر

حیات نغمہ زار ہے خیال زر نگار ہے
برس رہی ہیں مستیاں فضا پہ اک خمار ہے
چمن چمن گلوں کی آگ کتنی خوشگوار ہے
رباب و چنگ ہیچ ہیں سرودِ آبشار ہے
ہوا بھی عطر بیز ہے
دلوں کی چال تیز ہے
سکوت نغمہ ریز ہے
یہ شام حشر خیز ہے
رُخِ نگار شام پر شفق کا غازہ مل دیا
یہاں وہاں تو خاورِ فلک پہ رنگ بھر گیا

بہت ہی دلنواز ہے گلال روئے شام کا
گلابیاں چھلک رہی ہیں دورِ ارغواں چلا
دنوں کے بعد آئی ہے
یہ شام دل کو بھائی ہے
گھٹا بھی آج چھائی ہے
اک آگ سی جگائی ہے
یہ شامِ شالیمار بھی عجب جنوں نواز ہے
کبھی تو ہے سکون بخش، کبھی یہ حشر ساز ہے
زبانِ غنچہ بند ہے دلوں میں کوئی راز ہے
کہ شاہزادیٔ گل و سمن کو جس پہ ناز ہے
ہے حُسنِ نو بہار بھی
شفق کا لالہ زار بھی
حیاتِ نغمہ بار بھی
خلش بھی ہے قرار بھی
اِدھر اُدھر ہیں مستِ ناز گل رخوں کے قافلے
قبائے تنگ بانکپن شباب حسن ولولے
یہ شام پُر بہار ہے سمٹ گئے ہیں فاصلے
وہ نکہتوں کی بارشیں
نزاکتوں کی بارشیں

لطافتوں کی بارشیں
مسرتوں کی بارشیں
پہن کے تاجِ سرخوشی وہ بادہ خوار آگئے
وہ میکدہ پہ شام کا خمار بن کے چھاگئے
وہ سوتے نغمے جاگ اُٹھے دیئے سے جگمگا گئے
جلا کے شمعِ آرزو وہ روح میں سما گئے
وہ شعلہ رو وہ شعلہ لب
ادا ادا غضب غضب
وہ زینتِ رہ طرب
قرارِ جان، جانِ شب
دل و نظر شکار ہیں، صدائے ناز دلنشیں
لباسِ رنگ و نور میں تھرکتا خواب مرمریں
گداز دلربا حسیں شگفتہ شوخ شرمگیں
صنم نگار خانۂ خیال کے ہیں نازنیں
وہ روحِ نغمۂ حیات
وہ شمع بزمِ کائنات
کہ جن سے نور ہیز رات
سرود و شعر جن کی بات

ادا میں غنچوں کی چٹک کا نغمۂ حیات بار
نظر سے نورِ کہکشاں کی تازگی ہے آشکار
لبوں میں انگبیں کا رس رخوں کی شبنمی شرار
نوا میں کیفِ سرمدی، سرور بیز پروقار
طرب نواز شام ہے
یہ حشر ساز شام ہے
بہار ناز شام ہے
چنار و سرو یاسمن گلاب اور نسترن
قطار در قطار ہیں روش روش چمن چمن
عروس گل کا کاروانِ رنگ و بو ہے خیمہ زن
اٹھاؤ جام میکشو بہ نامِ حُسنِ دل شکن

●

کشمیر

سید حرمت الاکرام

یہ اپنی دھرتی کا ایک گوشہ جو رنگ و بو کا فسانہ خواں ہے
یہ اپنی دھرتی کا ایک گوشہ جو رونقِ محفلِ جہاں ہے
یہ اپنا گوشہ جو اپنی رعنائیوں کی وسعت میں بیکراں ہے
یہ گوشہ کونین در بغل ہے
ہمارے ذوقِ نظر کا پھل ہے
حسین جھیلوں کے آبگینے نگاہ و دِل کو پکارتے ہیں
لرزتی شبنم کے شوخ قطرے گُلوں کا چہرہ نکھارتے ہیں
نسیم کے خوشگوار جھونکے روِش روِش کو سنوارتے ہیں
یہ حُسن کا جلوۂ نمو ہے
جہانِ آدم کی آبرو ہے

بہار کے قافلے کو نیند آگئی ہے لمحات کے سفر میں
ٹھہر گئی ہے جمالِ فطرت دِلبری جیسے رہ گُذر میں
طلسمِ کونین ہو گیا ہے اسیر سا حلقۂ نظر میں
فلک سے جنّت اُتر پڑی ہے
زمین پہ قوسِ قزح کھڑی ہے
ربابِ زہرہ کا کوئی نغمہ مچل گیا ہے زمیں پہ آکر
نئی نویلی کوئی دُلہن مُسکرا رہی ہے لجا لجا کر
سِمٹ گیا ہے کسی کا آنچل فضاؤں میں رنگ سا اُڑا کر
دِلوں پہ جو وار کر گیا ہے
وہ چلتا جادو ٹھہر گیا ہے

کسی حسینہ کی شوخ ادائی بہ رنگِ دیگر مچل پڑی ہے
حُباب مینا سے تلملا کر شرابِ رنگیں اُبل پڑی ہے
کوئی غزل رُوپ بھر کے قرطاس کی حدوں سے نِکل پڑی ہے
رموزِ دِل کھولنے لگی ہے
کہانی خود بولنے لگی ہے

خلاؤں سے گُل فروش لمحے ٹھٹھک ٹھٹھک کر اُتر رہے ہیں
کنائے تشریح کے مراحل سے ناز فرما گزر رہے ہیں
قدیم لیلائیوں کے قصے لباس نو میں اُبھر رہے ہیں
خود اپنے جلوؤں کی چوٹ کھا کر
زمین رہ رہ گئی لجا کر

وہ ایک سحر آفریں تصوّر حیات ہے جس کے بہملوں میں
وہ ایک پرتو مدام جس نے ضیا بکھیری ہے محفلوں میں
وہ خواب جس کا سرور ازل سے پلا ہے انسان کے دلوں میں
وہ خواب کشمیر بن گیا ہے
خود اپنی تعبیر بن گیا ہے

●

فِردوس بر روئے زمین

اختر بستوی

جو لوگ ہیں کشمیر کے دیدار سے محروم
کیا جلوۂ فطرت کی حقیقت اُنہیں معلوم
دُنیا ہے فقط حُسن کی اِک جلوہ گہِ ناز
اِس رمز کے غمّاز ہیں کشمیر کے انداز
جِس حُسن کو صوفی نے یہ سمجھا کہ نہاں ہے
کشمیر میں دیکھیں تو وہ ہر سمت عیاں ہے
اِک ایک ادا حُسنِ ازل کی ہے لب بام
رعنائی کشمیر سے مِلتا ہے یہ پیغام
رونق ہے مناظر میں تو چہروں پہ چمک ہے
کشمیر میں ہر طرح کے جلوے کی جھلک ہے

جنّت کا تصوّر ہے اگر حُسن کی تفسیر
آئینۂ فردوس بھی ہے خطۂ کشمیر
کیوں ڈھونڈے جنّت کو بھلا عرشِ بریں پر
کشمیر کی صُورت میں ہے فردوس زمیں پر

شالیمار کی ایک شام

حامدی کاشمیری

چھلک رہے ہیں یہاں کیف و بے خودی کے جام
یہاں ہیں مست سُخن روحِ حافظؔ و خیامؔ
سُرورِ رنگ ہے، رعنائیاں ہیں، نزہت ہے
نہ پُوچھ کتنی حسین ہے یہ شالیمار کی شام

یہاں دھڑکتے دلوں کے حسیں فسانے ہیں
جمال و شوق کے خواب آفریں ترانے ہیں
ہر ایک شاخ کے ہاتھوں میں پھول کے ساغر
ہر ایک کیاری میں کتنے شراب خانے ہیں

سکوتِ خواب فزا ہے حسین نظاروں میں
گل و سمن میں شگوفوں میں لالہ زاروں میں
ہجومِ لالہ و گل میں ہوں گو میں چپ لیکن
یہ کیسی آگ دہکتی ہے دِل کے تاروں میں

حریمِ عرش سے ہوتا ہے رحمتوں کا وُرود
ہے مستِ کیفِ تشکّر سے برگِ گُل کا وجُود
نمازِ شام میں تو بھی جبینِ دِل کو جھکا
کہ ہو رہی ہے سبھی کائنات سر بہ سجود

خموش سرو سمن ہیں، کلی کلی خاموش
عروسِ خانۂ فطرت کی ہر پری خاموش
رُکا ہے پھولوں کے سایہ میں کاروانِ حیات
ہے سحر کاریٔ فطرت سے زندگی خاموش

ہر ایک غنچہ و گُل کو، شجر کو نیند آئی
ہر اِک روِش کو، ہر اِک رہ گزر کو نیند آئی
میں نشالیمار میں یا ایک خواب زار میں ہوں
وفورِ کیف سے فکر و نظر کو نیند آئی

یہ آبشار ہے یا ایک سازِ لرزاں ہے
ادائے رقص میں دوشیزۂ بہاراں ہے
نہ پوچھ گلکدۂ شالیمار کا عالم
کمالِ وجد میں شاعر کا دِل غزل خواں ہے

•

بادام کے شگوفے

حامدی کاشمیری

پھر عروسِ بہار گلشن میں
مسکراتی ہے رقص کرتی ہے
دیکھ بادام کے شگوفوں سے
زندگی کی فضا نکھرتی ہے

برگ و گُل پر شگفتگی آئی
حُسن و مستی ہے نو بہاروں میں
باس ہر سُو شگفتِ گُل کی چٹک
دُور ہُد ہُد کی دلنشین آواز
دِل میں جوشش و جنوں ابھی سے ہے
ہے ابھی تو بہار کا آغاز!
نغمہ و رنگ و نُور کیا کہئے
رشکِ جنّت ہے دامنِ کُہسار
ہیں یہ جُھرمٹ سپید حوروں کے
یا مہکتے شگوفہ بارِ اشجار؛
مُسکرا! اے مری بہارِ حیات
آرزُوں کے پھُول کھِلتے ہیں
ایسے عالم میں دردِ دِل بے تاب
جھُوم کے مُسکرا کے مِلتے ہیں
آج بھی زندگی کے ہونٹوں پر
کتنے وجد آفریں ترانے ہیں
اور فطرت کی بے زبانی میں
اپنے معمول کے فسانے ہیں

لیکن اِن نغمہ زا ترانوں میں
آج تو لرزشِ فغاں بھی ہے
یعنی بادام کے شگوفوں میں
ایک اُٹھتا ہوا دُھواں بھی ہے
میں نے جانا بہارِ لالہ و گُل
ایک نویدِ نشاط لاتی ہے
گلشنِ زیست میں مگر اے دوست
کیا ابھی تک بہار آئی ہے!

شہرِ لالہ و گل

شاذ تمکنت

ارضِ کشمیر مہکتے ہوئے نغموں کی زمین
تیری مہکی ہوئی بدمست ہواؤں کو سلام
نکہت آبادِ جہاں گلشنِ عطر و عنبر
تیرے آکاش کی مدماتی گھٹاؤں کو سلام
گنجِ پیغامِ طرب، گوشۂ جنّت آثار
تیری گاتی ہوئی پُرکیف فضاؤں کو سلام

•

ارضِ کشمیر! تری خاکِ خنک تاب و حسین
سجدہ گاہِ دلِ صاحب نظراں ہے کہ جو تھی
تیرے معمورۂ خوش بوئے جہاں گیری میں
دولتِ چشمِ مسیحا نفساں ہے کہ جو تھی
ہائے وہ کشتِ شفق حاشیہ آرائے فلک
صورتِ پیرہنِ گُل بدناں ہے کہ جو تھی

•

بالشِ فطرتِ معصوم ہے تیرا سبزہ
تیری جھیلیں ہیں کہ پگھلی ہوئی چاندی کا سماں
تیرے اشجار ہیں اِنسان کی بُلندی کے نقیب
تیرے باغوں میں مہکتی ہوئی خوشبو کا دھواں
چمپئی کھیت ترے جیسے شفق کا بستر
وادیاں ایسی کہ خوابوں کے جزیروں کا گماں

•

ہائے وہ چشمۂ شاہی کا خرام رنگین
جھانجنیں بجتی ہیں نغموں کی صدا آتی ہے
نوعُروسانِ دِل آراء ہیں نشاط و گُل مرگ
جن کو رہ رہ کے ہواؤں سے حیا آتی ہے
شالیمار اُف وہ دیارِ دِلِ زرّین کمراں
پئے گلگشتِ جہاں بادِ صبا آتی ہے

ارضِ کشمیر تیرے دم سے ہے رنگین نظری
آبروئے دِلِ نظّارۂ شام و سحری

•

جنّتِ ارضی

وحید اختر

جنّتِ ارض کا شاداب چمن ہے کشمیر
نکہت و رنگ کے خوابوں کا وطن ہے کشمیر

اِس کی شاداب بہاروں سے چُرا کر خوشبو
نفسِ بادِ صبا مشک فشاں ہوتا ہے
اِس کے گُلمرگ و پہلگام کے نظاروں سے
دِل میں احساسِ جمال اور جواں ہوتا ہے
آتشِ گُل سے پگھلتی ہوئی چاندی بن کر
ہر رگِ سنگ میں سیماب رواں ہوتا ہے
آبشاروں کے خنک ساز سے پھوٹا ہوا راگ
دِل دریا میں لہو بن کے تپاں ہوتا ہے
نغمہ و شعر کی اِس رقص کُناں وادی میں
ذرّہ ذرّہ دِلِ صاحب نظراں ہوتا ہے

جنّتِ ارض کا شاداب چمن ہے کشمیر
نکہت و رنگ کے خوابوں کا وطن ہے کشمیر

اِس کے جھیلوں میں اُتر آتے ہیں مہتاب و نجوم
زعفران زار پگھلتے ہوئے سونے کی لکیر
اِس کے کہساروں کے ماتھے سے ٹپکتی ہوئی برف
عرقِ چہرہ ما خورشید وشاں کی تصویر
مہکا مہکا ہُوا سرشار ہوا کا آنچل
خواب پہلوئے مسیحا نفساں کی تعبیر
دہکی دہکی ہوئی ہر سمت چناروں کی آگ
سینۂ آب پہ بجروں کی مُسلسل تحریر
باغِ انگور کی ہر سانس مئے افشردہ
رُوحِ مستی بنیں میخانوں میں پابند و اسیر

جنّتِ ارض کا شاداب چمن ہے کشمیر
نکہت و رنگ کے خوابوں کا وطن ہے کشمیر

جب ہوا دشت و گُلستاں میں مہک جاتی ہے
دِلِ غنچہ کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

حبّۂ خاتون کے نغمات سے برسی ہوئی مے
اب بھی پیمانۂ ہر گُل سے چھلک جاتی ہے
رُوحِ اشعارِ غنیؔ اب بھی نئے قالب میں
باغ و کوہ و دمن و دشت کو گرماتی ہے
وجد میں ماہیا گاتے ہوئے مانجھی کی صدا
عظمتِ محنتِ آدم کی قسم کھاتی ہے
دیکھ کر جوششِ نمو فیضِ بہاراں اِس جا
دستِ گُل چیں کو بھی اپنے سے حیا آتی ہے

جنّتِ ارض کا شاداب چمن ہے کشمیر
نکہت و رنگ کے خوابوں کا وطن ہے کشمیر

●

مُصوّر سے خطاب

شبیب رضوی

مُصوِّر! لوٹ جا کشمیر کی شاداب وادی سے
تجھے کیا مِل سکے گا اِس ہجومِ رنگ و شادی سے
ترا وِجداں یہ مانا کہ ہرگز مر نہیں سکتا
مگر احساس تخیلوں کے خاکے بھر نہیں سکتا
فضائے رنگ و کاغذ میں جوانی آ نہیں سکتی
زبانِ مُو قلم کو ترجمانی آ نہیں سکتی
ترے نقشوں میں ڈھل سکتا نہیں کشمیر کا منظر
ترے رنگوں میں پل سکتا نہیں تنویر کا محشر
اگر اندازِ یکسوئی کسی منظر میں ڈوبے گا
پہاڑوں کے سہانے سلسلے کا ساتھ کیا دے گا
لکیروں میں ردائیں آبشاروں کی نہ سمٹیں گی!
حسین دلکش فضائیں جوئباروں کی نہ سمٹیں گی

وُلر کا پُرسکوں اندازِ طغیاں آ نہیں سکتا
کسی جُنبش سے تصویروں میں طوفاں آ نہیں سکتا

تری تصویر میں ہنگامۂ کوثر نہ چھلکے گا
عروسِ یوسؔ کا ساغر بکف منظر نہ چھلکے گا

حسین ڈل کی تلاطم خیز خاموشی نہ بولے گی
کنول کا میکدہ بردوش مدہوشی نہ بولے گی

مغل باغات کی تنظیمِ گُل پوشی نہ اُبھرے گی
صبا کی لے، گُل و بلبل کی سرگوشی نہ اُبھرے گی

ترے خاکوں میں کیفِ شب کا آوازہ نہ اُبھرے گا
طلسمِ شام، مانسبل کا سناٹا نہ اُبھرے گا

جوابِ گُل مرگ کی صبحوں کا نظارہ نہ اُبھرے گا
لبِ دوشیزگی میں بھیگتا نغمہ نہ اُبھرے گا

ترے خاکے میں حبہؔ کا ترنم بھی نہ بکھرے گا
دیارِ زعفران کا ایک تبسم بھی نہ اُبھرے گا

ترے خاکے میں للہ عارفہ کی ضو نہ مچلے گی
کسی پروانۂ شمعِ انا کی لو نہ مچلے گی

تری تصویر میں تقدیسِ حضرت بل نہ اُبھرے گی
کسی قلبِ عقیدت کیش کی ہلچل نہ اُبھرے گی

ترے خاکے میں شنکر کا دھڑکتا دل نہ چونکے گا
نشانِ پیش بیں نقشِ پسِ منزل نہ چونکے گا
مصوّر! میں نے یہ مانا کہ تیرے دل میں قوت ہے
نظر میں انتہائے شوق ہے سر میں ذہانت ہے
تری ان انگلیوں میں لوچ ہے حسن نزاکت ہے
رگِ احساس میں مچلا ہوا خونِ لطافت ہے
مگر تیرا مرقع ساتھ تیرا دے نہیں سکتا
کسی منظر سے پوری روح منظر لے نہیں سکتا
تری تصویر میں سیبوں کی آ سکتی ہے رنگینی
مگر کیا چشمِ نظارہ میں گھل سکتی ہے شیرینی
تری تصویر میں آ جائے گی بادام واری بھی
مگر کیا رچ سکے گی نکہتِ بادِ بہاری بھی
تری تصویر میں اخروٹ کے سائے بھی جھومیں گے
مگر کیا سوندھی خوشبو کو بھی تیرے ہاتھ چومیں گے
تری تصویر لے سکتی ہے منظر دیوداروں کے
مگر کیا بڑھ کے چھو سکتی ہے سناٹے چناروں کے
تری تصویر لے سکتی ہے انگڑائی سفیدوں کی
مگر کیا تھرتھراہٹ بنھ سکے گی نرم بیدوں کی

تری نظریں اُتر سکتیں ہیں ہر گھاٹی کے سینے میں
مگر کیا ڈھال سکتی ہیں سمندر کو سفینے میں
تری نظریں پہاڑوں کی چمکتی برف بھر لیں گے
مگر کیا ٹھنڈکِ جان آفریں محسوس کر لیں گے
ترا دامِ تخیّل قید کر سکتا ہے جہلم کو
مگر کیا روک بھی سکتا ہے ویری ناگ کے دم کو
بہارِ سونامرگ اپنی نظر سے کھینچ سکتا ہے
مگر کیا آتشِ یخ کو سحر سے کھینچ سکتا ہے
نگارِ پہلگام اپنے قلم سے کھینچ سکتا ہے
مگر کیا خوابِ دوشیزہ حرم سے کھینچ سکتا ہے
مُصوّر! اپنی خلوت میں کبھی تو نے یہ سوچا بھی
کہ جیسا چاہیئے ویسا کبھی جلوت کو سمجھا بھی
مصوّر تیری نظروں سے کبھی یہ پردہ اُٹھا بھی
کہ جیسا چاہیئے ویسا رُخِ فطرت کو دیکھا بھی
اگر دیکھا تو کیا سمجھا، اگر سمجھا تو کیا سوچا
تری تصویر میں سوچا ہوا شہکار کیا اُبھرا
مجھے محسوس ہوتا ہے کہ سعیِ رائگاں اُبھری
حقیقت کے اُجالے میں اندھیری داستاں اُبھری
مُصوّر! یہ اگر سچ ہے تو اِس سے فائدہ کیا ہے
بتا رنگوں کے تاجر! تیرے دِل کا مُدّعا کیا ہے

ترا جذبِ تصوّر تھک کے رہ جائے نہ راہوں میں
ترا کسبِ تخیّل ڈھل نہ جائے گرم آہوں میں
تڑپ جائے نہ سینے میں کوئی زخمِ تمنائی
مچل جائے نہ باہوں میں کوئی شہزادِ رعنائی
بہک جائے نہ وحشت کے سفر میں کارواں کوئی
سنبھل جائے نہ پھر اندیشۂ سود و زیاں کوئی
چلا جا اے مُصوّر اے مرے پیارے مُصوّر جا
جہاں سے جس جگہ سے آیا ہے اُس دیس کو پھر جا
مرتّب صرف لفظوں سے فسانہ ہو نہیں سکتا!
مُنظّم چند لمحوں سے زمانہ ہو نہیں سکتا!
عبث ہیں چند خاکے چند نقشے چند تصویریں
ادھوری، نامکمل چند تدبیروں کی تقدیریں
اسیرِ رنگ و روغن نقش، رعنائی سے کیا حاصل
پسِ گلشن، رُخِ گلشن کی رُسوائی سے کیا حاصل
مُصوّر باز آ دِل کی تمنّائے ستائش سے
مُصوّر! ہاتھ اُٹھا لے نامُرادی کی نمائش سے
مُصوّر! سعیٔ بے انجام کی تشہیر رہنے دے
یہیں پر شاہکارِ جنّتِ کشمیر رہنے دے

جھیلِ وُلر کی شبِ مہتاب

شبیب رضوی

کتنی حسین رات ہے کتنی جواں ہے چاندنی
ہائے یہ رنگِ دلبری ہائے یہ شانِ دلکشی
تا بہ اُفق محیط ہے بوئے بہارِ مے کشی
صحنِ فضا میں خیمہ زن کیف و خُمارِ بے خودی
حُسنِ نگاہ ہوشیار، ذوقِ نظر سنبھل سنبھل
چھُوٹ رہی ہے پھُلجھڑی وادیٔ مہتاب کی
جیسے کوئی عروسِ نو، مستِ خیالِ خوابناک
رنگ ذرا کھُلا کھُلا شکل ذرا دُھلی دُھلی
جیسے کہ سطحِ آب پر، کوندرہی ہیں بجلیاں
جیسے کہ لہر لہر پر ناچ رہی ہے جل پری
جیسے کہ موج موج پر آتشِ عشق کو لئے
یار کے انتظار میں مچلی ہوئی ہے سوہنی
آہ کسی کا غم لئے دیکھ رہا ہوں دیر سے
نیل گگن کا اپسرا، جھیل میں تیرتی ہوئی

•

وادیٔ جنت نشاں

ثریّا محمود نُدرت

ہر گام پہ یہ لالہ و گُل کی حسیں قطار
حدِ نگاہ تک یہ دِل افروزئی بہار
یہ برف پوش سر بہ فلک سی پہاڑیاں
تا دُور بِکھری بِکھری یہ شاداب جھاڑیاں
ڈل کا یہ حُسنِ شوخ یہ جھرنوں کا سِلسلہ
اٹھکھیلیاں سی کرتی ہوئی ہر طرف صبا
پانی پہ کشتیوں کی شکاروں کی دوڑ دھوپ
سطحِ زمین پہ یاسمن و گُل کا رنگ و رُوپ

کرتا ہے خوبیوں میں اِضافہ نشاطِ باغ
چھلکاتی ہے چناروں کی رعنائیاں ایاغ
یہ شالہ مار باغ کی افسوں طرازیاں
خاموش سبزہ زاروں کی افسانہ سازیاں
کشمیر! تیرا جلوۂ رنگیں ہے لازوال
دُنیائے رنگ و بُو میں کہاں ہے تری مثال
کشمیر! تیری اور ہی کچھ آن بان ہے
بے شبہ تو زمین پر جنّت نشان ہے

●

میرا وطن

عابد مناوری

میں جہاں جاتا ہوں اکثر دوست کرتے ہیں سوال
تو نے پایا ہے کہاں سے حُسنِ اندازِ سخن ؟
رازِ آخر کیا ہے اس طبعِ بہار ایجاد کا
شاخِ گل ہر شعر تیرا ہر غزل رشکِ چمن
تازگی ہر لفظ میں پاکیزگی ہر بات میں
ہے تری تخئیل میں رنگینیٔ باغِ عدن
جوش، ندرت، سادگی، جدت، روانی، نغمگی
تیرے فکر و فن میں ہے حورِ ارم کا بانکپن
دوست جب یہ پوچھتے ہیں اُن سے یہ کہتا ہوں میں
مجھ کو تو خاکِ وطن نے بخشا ہے ذوقِ سخن

۲

اس پہ حیران ہو کر اکثر دوست کرتے ہیں سوال
ہم کو بھی تو یہ بتا، ہے کون سا تیرا وطن

کون سی وہ سرزمین ہے ہم ذرا یہ جان لیں
جس کی مٹی نے نکھارا ہے تیرا یہ فکر و فن
کون سی دھرتی کے ذرّوں کی ہے وہ تابانیاں
جن کا پرتو تیرے اک اک شعر میں ہے ضوفگن
کون سی وہ وادیٔ گل پوش ہے یہ تو بتا
جس کی رعنائی میں چمکا ہے تیرا رنگِ سخن
دوست جب یہ پوچھتے ہیں فخر ہوتا ہے مجھے
تمکنت سے کہتا ہوں کشمیر ہے میرا وطن

۳

ہاں وہی کشمیر کہتے ہیں جسے خُلدِ بریں
ہاں وہی کشمیر جو ہے رشکِ تاتار و ختن
ہاں وہی کشمیر ہر اک جھیل جس کی سیم بر
ہاں وہی کشمیر جس کے چشمے ہیں سیماب تن
ہاں وہی کشمیر جس کے دشت بھی گلریز ہیں
ہاں وہی کشمیر جس کے خار بھی ہیں گلبدن
ہاں وہی کشمیر ہیں جس کی ہوائیں عطر بیز
ہاں وہی کشمیر ہیں جس میں بہاریں موجزن

ہاں وہی کشمیر جہاں پرور ہیں جس کے کوہسار
ہاں وہی کشمیر ہے اے دوستو! میرا وطن

۴

ہاں وہی کشمیر جو بھارت کے سر کا تاج ہے
ہاں وہی کشمیر جو ہے نازشِ گنگ و جمن
ہاں وہی کشمیر جس میں گلگت و لداخ ہیں
ہاں وہی کشمیر جموں ہے جہاں طلعت فگن
ہاں وہی کشمیر جس میں وادیٔ لولاب ہے
ہاں وہی کشمیر جس کا پونچھ ہے رشکِ عدن
ہاں وہی کشمیر ہے گلمرگ سا گلشن جہاں
ہاں وہی کشمیر جس میں ہے مناور سا چمن
ہاں وہی کشمیر، جو مسجود ہے فردوس کا
ہاں وہی کشمیر ہے اے دوستو! میرا وطن

۵

ہاں وہی کشمیر جو ہے ابنِ آدم کا بہشت
ہاں وہی کشمیر جو ہے مستیوں کی انجمن

ہاں وہی کشمیر جس کی خاک بھی اکسیر ہے
ہاں وہی کشمیر جس میں زندگی ہے موجزن
ہاں وہی کشمیر پاتا ہے جہاں انساں سکوں
ہاں وہی کشمیر جو ہے دافع رنج و محن
ہاں وہی کشمیر جس میں مسجد و مندر بھی ہیں
ہاں وہی کشمیر جس میں ایک شیخ و برہمن
ہاں وہی کشمیر جس میں ہے محبت کی بہار
ہاں وہی کشمیر ہے اے دوستو! میرا وطن

۶

ہاں وہی کشمیر، تہذیب و تمدن کا جہاں
ہاں وہی کشمیر جو ہے درس گاہِ علم و فن
ہاں وہی کشمیر، نہرو[1] کو بھی جس پہ ناز تھا
ہاں وہی کشمیر جو چکبست[2] کا بھی تھا وطن

---

[1] :- آنجہانی پنڈت جواہر لعل نہرو
[2] :- پنڈت برج نرائن چکبست

ہاں وہی کشمیر دتو[1] نے جہاں گائے تھے گیت
ہاں وہی کشمیر جس میں تھا غنی[2] بھی نغمہ زن
ہاں وہی کشمیر جس کی خاک سے مہجور[3] اٹھا
ہاں وہی کشمیر جس میں تھا غزل خواں رام دھن[4]
ہاں وہی کشمیر فن کا اور فنکاروں کا دیس
ہاں وہی کشمیر ہے اے دوستو! میرا وطن

●

لہ:۔ دتو۔ ڈوگری زبان کے سب سے پہلے شاعر
سہ:۔ غنی کشمیری۔ فارسی زبان کے مشہور شاعر
سہ:۔ مہجور۔ کشمیری زبان کے شاعر جسے شاعر کشمیر کا خطاب ملا۔
سہ:۔ رام دھن: ڈوگری اور پنجابی کے باکمال شاعر۔

خطۂ کشمیر

میکش کاشمیری

خطّۂ کشمیر ہے باغِ جناں
رُوح پرور جاں فزا اسکی فضا
کیف سے معمور ہر موجِ ہوا
جا بہ جا تسنیم و کوثر ہے رواں
ذرّہ ذرّہ اِس جگہ ہے گُل فشاں
ہر طرف طوفانِ رنگ و بو بپا!
جاذبِ قلب و نظر اِک اِک ادا
چار جانب ہے بہارِ جاوداں
غیرتِ گُلشن ہیں اِس کے خار زار
دل رُبا ہر چشمہ و کوہ و کمر
دِلکُشا ہر آبشار و دشت و در
دیدنی ہے اِس کے جلووں کی بہار
میرے دِل میں خُلد کی حسرت نہیں
آرزو ہے دم نِکل جائے یہیں

کشمیر جنّتِ نظیر

آنسہ منظورہ اختر

جنّتِ اہلِ نظر ہے سرزمین کشمیر کی !
کیف پرور کس قدر ہے سرزمین کشمیر کی !
پُر فضا منظر سے ہے تخیّل میں پرواز بھی !
نغمگی سے جس کے پیدا سوز بھی ہے ساز بھی !
ندیاں چاروں طرف ہیں کیف برساتی ہوئیں
یا بہارِ رنگ و بُو کا گلستاں لاتی ہوئیں
جن کی خوشبو سے معطّر شہر بھی ویرانے بھی
ہوش میں رہتے نہیں باہوش بھی دیوانے بھی
لالہ زاروں کی حسین وادی میں پھولوں کی قطار
رُوح پرور ہے مہک تو جاں فزا ہے سبزہ زار
یہ اُبلتے چشمے اور یہ گنگناتے آبشار !
جن میں کوثر کی جھلک تسنیم کے رُخ کا نکھار

یہ زمیں شعر و سخن سے اس لئے لبریز ہے
اس پہ چشم حبہ خاتون ولولہ انگیز ہے
عارفہ للہ کی حسنِ معرفت کی تابشیں
نورِ عرفاں کی کیا کرتی ہیں اب تک بارشیں
ناز کرتی ہی رہیں گی دخترانِ کاشمیر
حسنِ عرفاں سے منور ہر مکانِ کاشمیر
زعفران زاروں کے دامن، ڈل کی وہ پنہائیاں
ان جزیروں میں ہیں گونجی بجتی ہوئی شہنائیاں
ارنی مال، روپ بھوانی پر وطن کو ناز ہے
آج ہر اک شاعرہ کا بس وہی انداز ہے
آج کے دن آگیا علم و ادب پر یوں نکھار
جاں فزا سے ہو گئے باغِ نشاط و شالمار
یوں چمک اُٹھا یہاں رنگِ رُخِ نورِ جہاں
بن بن ہے چمن کا آج جیسے نغمہ خواں
مائلِ شعر و ادب ہیں اس وطن کی لڑکیاں
حبہ خاتون کے ہیں گیتوں کی لبوں پر جھلکیاں
اب فضا پیدا ہوئی اُمید افزا دیکھنا
ہونگے سب بھائی بہن شعر و ادب کے آشنا

وادیٔ شعر و ادب گلزارِ ابراہیمؑ ہے
خطۂ باغِ ارم ہی میں اُمید و بیم ہے
تجھ سے یا رب ہے یہی منظورہ آختر کی دُعا
تا ابد قایم رہے کشمیر کی رنگین فضا

رباعیات

اختر رضوانی

من مست ہے اور لب پہ دُعا آتی ہے
ڈوبی ہوئی مستی میں ہوا آتی ہے
گُن گاتا ہے کشمیر زمانہ تیرا
پربت سے جو جھرنوں کی صدا آتی ہے

۲

جو اس میں ہیں گوہر کبھی ایسے نہ مِلے
ڈھونڈا ہے برابر کبھی ایسے نہ مِلے
"یہ کول[1]" یہ جھرنے، یہ ندّی یہ نالے
دُنیا میں مناظر کبھی ایسے نہ ملے

۳

ہمّت کے دھنّی بھی ہیں دِلاور بھی ہیں
ہاں اس میں اشوک اور سکندر بھی ہیں
جو دھیان سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے
اس دھرتی میں موتی ہیں جواہر بھی ہیں

[1] "کول" یا کشمیری رسم الخط میں "کول" ندّی کو کہتے ہیں ؛

کامل چاندپوری

اے کاشمیر اے گلبدن	شیریں زباں غنچہ دہن
اے سرزمینِ علم و فن	اے انجمن در انجمن
کس کو نہیں تیری لگن
اے جانِ من جانانِ من

آرامِ دل آرامِ جاں	یہ تیرے ڈل یہ ندیاں
یہ سبزہ زاروں کا سماں	خلدِ بریں جنت نشاں
ہر ہر نفس ہے نغمہ زن
اے جانِ من جانانِ من

یہ اونچی اونچی چوٹیاں	یہ کوہساروں پر دھواں
یہ طائروں کی بولیاں	کیا کیا گزرتا ہے گماں
صحرا بھی تیرے ہیں چمن
اے جانِ من جانانِ من

رنگین تیرا پیرہن	جس سے جھلکتا ہے بدن
ہائے یہ تیرا بانکپن	ہو جیسے چوتھی کی دلہن
قرباں تجھ پہ مرد و زن
اے جانِ من جانانِ من

آنکھوں میں مے خانے لئے ہونٹوں کے پیمانے لئے
مستی بھرے گانے لئے گل پوش ویرانے لئے
سب کیلئے تو خندہ زن
اے جانِ من جانانِ من

تیری زباں اُردو زباں اردو زباں سحر البیاں
تہذیب تیرے جسم و جاں تیرے گلستاں بوستاں
ہیں شیخ سعدی کے چمن
اے جانِ من جانانِ من

دل میں منا جاتیں تیری نوربینہ ہیں باتیں تیری
جادو بھری راتیں تیری ہیں خوب رو غاتیں تیری
کہسار اور دشت و دمن
اے جانِ من جانانِ من

یہ تیری کشتِ زعفران جیسے اُگی ہوں تتلیاں
خوشبو بھری رنگینیاں تیرے طیورِ نغمہ خواں
روحِ چمن جانِ چمن
اے جانِ من جانانِ من

لبریز خُم خانے تیرے مدہوش فرزانے تیرے
مشہور افسانے تیرے شاعر ہیں دیوانے تیرے
تو منبع شعر و سخن
اے جانِ من جانانِ من

سبزہ تیری پوشاک ہے اکسیر تیری خاک ہے
چاندی خس و خاشاک ہے لیڈر تیرا بے باک ہے
رکھتا ہے سینے میں اگن
اے جان من جانان من

ہے شیر شیر کا ثمر قوم و وطن کا راہبر
باہمت و سینہ سپر وہ حق پرست و حق نگر
ہے راستی جس کا چلن
اے جانِ من جانانِ من

آخر کو جیت اُس کی ہوئی کشمیر کی قسمت کھلی
پژمردگی سب ڈھل گئی بادِ صبا چلنے لگی
پھر صبح کی پھوٹی کرن
اے جانِ من جانانِ من

مشتاق تیرا اک جہاں چاہت میں تیری سرگراں
آتا کہاں سے ہے کہاں کامل بھی تیرا مدح خواں
دکھلا کبھی اپنی پھبن
اے جانِ من جانانِ من

چشمۂ شاہی میں ایک نقاب پوش خاتون سے

محمد علوی

اتنے بہت سے
رنگ برنگے
تتلی کی تصویروں جیسے
کومل نازک
من موہن پھولوں کے ہوتے ہوتے
کون تیری جانب دیکھے گا۔
ٹھوکر کھانے سے پہلے
اپنے رخ سے
یہ کالی دیوار گرا دے

●

کشمیر اِن نومبر

محمد علوی

اونچے برفیلے کوہسار
جہلم، جھیلیں اور چنار
ڈونگے، شکارے، ہاؤس بوٹ
چلتے پھرتے اوورکوٹ
راکھ بناتی کانگڑیاں
پھیرن میں بجھتی خوشیاں
بھائی ذرا بتلانا تو
دھوپ کہاں ملتی ہے یہاں

کشمیر

اختر امرتسری

خُلدِ ارضی جسے کہتے ہیں وہ کشمیر ہے تُو
حُسنِ فطرت کے حسیں جلوؤں کی جاگیر ہے تُو
پیکرِ حُسن ہے رعنائی کی تصویر ہے تُو
غیرتِ لیلیٰ و شیریں ہے جو وہ ہیر ہے تُو
سبز خطّوں میں تیرے شانِ دِل آرائی ہے
ایک عالم تیرے جلوؤں کا تمنائی ہے

۲

دامنِ کوہ میں چشموں کو اُبلتے دیکھا
جھیل کے سینے پہ موجوں کو مچلتے دیکھا
آبشاروں سے مدُھر گیت نکلتے دیکھا
دِلِ غمگین کو نظّاروں سے بہلتے دیکھا
تیرا ہر جلوۂ شاداب ہے فردوس نظر
تر و تازہ تیرے نظّاروں سے ہیں قلب و جگر

شاہی چشمے کے مچلتے ہوئے دھارے آہا!
رقص فرماتے ہوئے ڈل میں شکارے آہا!
نغمہ نغمہ ہیں محبت کے شرارے آہا!
کشت زاروں میں عروسوں کے اشارے آہا!

حُسن ہی حُسن ہر سمت نظر آتا ہے
زاہدِ خشک بھی جلوؤں سے بہک جاتا ہے

واہ کیا کیف تیری شام[۴] میں پربھات میں ہے
یہ خدا آشتہ کا عالم تیرے دن رات میں ہے
ایک مستی سی اُمنگوں میں خیالات میں ہے
لُطف معروس حسینوں کے اشارات میں ہے

آبِ ڈل بادہ سیّال نظر آتا ہے!
پیر پی کے تو جواں سال نظر آتا ہے!

کیوں نہ کشمیر تیرے نام[۵] کے صدقے جاؤں
تیری ہر صبح ہر اِک شام کے صدقے جاؤں
تیرے سرسبز در و بام کے صدقے جاؤں
ویری ناگ اور پہلگام کے صدقے جاؤں

یہ وہ جلوے ہیں کہ ایمان لئے لیتے ہیں
دل لئے لیتے ہیں اور جان لئے لیتے ہیں

جنّتِ کشمیر

انور صابری

اے خوشا باغِ خُلد کی تصویر — رشکِ فردوس جنّتِ کشمیر
ہیں نظارے بہشت زار ترے — کوثرِ ستاں آبشار ترے
ہمہ تن پیکرِ بہار ہے تو — دستِ قُدرت کا شاہکار ہے تو
تیرا ہر ذرّہ آبگینہ ہے — گوہرِ حُسن کا خزینہ ہے
صُبح ہے شمعِ طور در داماں — شام زُلفِ مشیّتِ یزداں
چشمۂ جوشِ خرام و روح نواز — ہے بوَصفِ سکوت زمزمہ ساز
تیرے ڈل کا جو صاف پانی ہے — پاکبازوں کی زندگانی ہے
بن کے تیرے قصیدہ خوانِ شباب — موجِ جہلم بجا رہی ہے رباب
بہ نشاط و نسیم و شالامار — جاوِداں فصلِ گُل کے آئینہ دار

یہ پہاڑوں کی برف پوش جبین — رقص گاہِ نگاہِ روح الامین

یہ امرناتھ کی عبادت گاہ — عشق و عرفاں کی صاف سیدھی راہ

اللہ اللہ جمالِ انسان زاد — قدِ موزوں ہے غیرتِ شمشاد

نرگسی آنکھ ہے کہ جامِ شراب — روئے دلکش ہے یا شگفتہ گلاب

سادہ سادہ نظر حیاء آمیز — چشمِ اہلِ ہوس سے وقفِ ستیز

وضعِ رفتار بے نیازانہ — حشر کو ناپنے کا پیمانہ

ہر قدم ہے ادا فرشتوں کی — وہ بھی پالی ہوئی بہشتوں کی

الغرض یہ حسین تر وادی — بادشاہِ جہاں کی شہزادی

ہے برعنائی خیال و عمل — فکرِ فطرت کی شاندار غزل

ترانۂ کشمیر

ایم۔ اے حفیظ بنارسی

موجِ مئے گلگوں ہے انوار کا دھارا ہے
دھرتی یہ جمال افگن گردوں کا ستارا ہے
فطرت کے مصوّر کا شہکار دلارا ہے
قدرت نے اسے اپنے ہاتھوں سے سنوارا ہے
ہم اس کے محافظ ہیں کشمیر ہمارا ہے

زُلفوں کی ادائیں ہیں مستانہ گھٹاؤں میں
خُوشبوئے حیات اور پُرکیف ہواؤں میں
اس خطۂ دلکش کی جاں بخش فضاؤں میں
جنّت کی بہاریں ہیں جنّت کا نظارہ ہے
ہم اس کے محافظ ہیں کشمیر ہمارا ہے

ذرّوں میں تجلّی ہے مہر و مہِ تاباں کی
ہر سمت نُمایاں ہے تصویر گلستاں کی
ہر گوشۂ رنگیں میں منزل ہے بہاراں کی
ہر نقشِ حسین اِس کا تابندہ ستارا ہے
ہم اِس کے محافظ ہیں کشمیر ہمارا ہے

شاخ و شجرِ رنگین جنّت یہ کنار اِس کے
کیا سرو صنوبر ہیں کیا نخلِ چنار اِس کے
فردوسِ نظر ہر سُو گلپوش دیار اِس کے
ہم نے اِسے دھرتی پر جنّت سے اُتارا ہے
ہم اِس کے محافظ ہیں کشمیر ہمارا ہے

آئینہ صفت اِس کے جھیلوں کی درخشانی
ہم اِس کے پہاڑوں پر خورشید کی پیشانی
یہ خطۂ رخشندہ یہ وادیٔ نُورانی
فطرت کے نگاہوں کا رنگین اشارہ ہے
ہم اِس کے محافظ ہیں کشمیر ہمارا ہے

پاتے ہیں شفا اِس میں بیمارِ الم کتنے
جی اُٹھتے ہیں آ تے ہی یاں کُشتۂ الم کتنے
ملتے ہیں یہاں دِل کو اربابِ کرم کتنے
کِتنوں کے لیے اِس میں جینے کا سہارا ہے
ہم اِس کے محافظ ہیں کشمیر ہمارا ہے

بخشا ہے محبت نے اِک حُسنِ یقین ہم کو
جینا ہے یہیں ہم کو مرنا ہے یہیں ہم کو
غیروں کے سہارے کی حاجت ہی نہیں ہم کو
خود اپنا بھروسہ ہے خود اپنا سہارا ہے
ہم اِس کے محافظ ہیں کشمیر ہمارا ہے

تاروں سی جبین اِس کی پھولوں سا بدن اِس کا
صدیوں سے ہے دیوانہ ہر اہلِ وطن اِس کا
عثماں نے لہو دے کر سینچا ہے چمن اِس کا
تخریب بھلا اِس کی کب ہم کو گوارا ہے
ہم اِس کے محافظ ہیں کشمیر ہمارا ہے

منہ دیکھتی ہے دُنیا کشمیر ہے وہ درپن
دیکھے نظرِ بد سے اِس کو نہ کوئی دُشمن
وابستہ ازل ہی سے بھارت سے ہے یہ گُلشن
اِس گُلشنِ رنگیں پر حق صِرف ہمارا ہے
ہم اِس کے محافظ ہیں کشمیر ہمارا ہے

•

مسعود اختر جمالؔ

آغوشِ ہمالہ کے حسیں خواب کی تعبیر
جانباز جوانوں کی مچلتی ہوئی شمشیر
اِنساں کے عزائم کی اُبھرتی ہوئی تصویر
فرمانِ الٰہی کی جھلکتی ہوئی تحریر
اے وادیٔ کشمیر

تیرے ہی سبب رونقِ بازارِ جہاں ہے
آئینہ تیرا روکشِ حورانِ جناں ہے
ہر غنچۂ نوخیز تیرا نازِ بُتاں ہے
ہراک ورقِ گُلِ تر قرآں کی تفسیر
اے وادیٔ کشمیر

میخانۂ جاں ہیں ترے مدہوش نظارے
گلبانگ نفس ہیں ترے خاموش نظارے
فردوس نظر ہیں ترے گلپوش نظارے
ہے خاک تری اہلِ وفا کے لئے اکسیر
اے وادئ کشمیر

ہر قطرۂ شبنم ترا اِک گوہرِ نایاب
پیمانۂ جمشید ہر اِک لالۂ شاداب
یہ رنگ یہ نکہت یہ نفاست یہ تب و تاب
ہر نقش ترا مانی و بہزاد کی تصویر
اے وادئ کشمیر

تمہید نرالی ہے ترے حُسنِ بیاں کی
روداد انوکھی ہے ترے عزمِ جواں کی
کرتی ہے مرتب نئی تاریخ جہاں کی
ہر اِک قدم پر یہ تری شوخئ تحریر
اے وادئ کشمیر

اب تیرے چمن زار میں شادابیٔ نَو ہے
محفل میں تری ایک نئی شمع کی لو ہے
گردوں پہ ترے اِک نئے مہتاب کی ضو ہے
ذرّوں میں ترے اِک نئے خورشید کی تنویر
اے وادیٔ کشمیر

رفتارِ جہاں آج بھی آہنگِ نظر ہے
بیدار ہر اِک نقش سرِ راہ گزر ہے
تیّار بس اب قافلۂ نورِ سحر ہے
پیغامِ جرس ہے یہ ترا نالۂ شب گیر
اے وادیٔ کشمیر

پھوٹی ہیں یہ کرنیں کہ چمکتی ہیں سنانیں
جھکتی ہیں یہ شاخیں کہ لچکتی ہیں کمانیں
بپھری ہوئی موجیں ہیں کہ سیّال چٹانیں
آہوں میں تری آج قیامت کی ہے تاثیر
اے وادیٔ کشمیر

منزل ہے رواں آج تری گردِ سفر میں
بیداریٔ صد خلدِ یقیں تری سحر میں
مستقبل زریں ترا بخشش کی نظر میں
ہے سارے زمانے کے لئے مژدۂ تعمیر
اے وادیٔ کشمیر

کیا خضر بنیں گے یہ کمیں گاہ کے رہزن
گم کردۂ منزل ہیں یہ بنئے یہ مہاجن
ہیں گرد سرِ راہ یہ راہب یہ برہمن
واعظ نہ مُلّا ترے فتراک کے نخچیر
اے وادیٔ کشمیر

جُز معرفتِ عشقِ خدا کچھ بھی نہیں ہے
یہ سوزِ دروں جذبِ وفا کچھ بھی نہیں ہے
پیغامِ محبت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
ناقوس کی آواز ہو یا نعرۂ تکبیر
اے وادیٔ کشمیر

موسموں کا وطن

تسنیم فاروقی

عظمتِ ہند ہے تو تجھ سے ہی قائم ہے وقار
ہیں تری گود میں فطرت کے حسیں نقش و نگار
تیری آغوش میں یہ گُل کدۂ شالیمار
کیف میں ڈوبی فضا سرد ہوا مستِ بہار
یہ لطافت، یہ نزاکت، یہ صلاحت، یہ نکھار
جس طرح پھولوں سے لبریز ہو دامانِ بہار
اِک سِرے سے ہیں تیرے حُسن کے آئینہ دار
نرگس و یاسمن و لالہ و گُل سرو و چنار
یہ تری مست ادائیں ترا بھرپور سنگار
تجھ پہ صد حافظ و خیام کے افکار نثار
بارِ گُل سے یہ لچکتی ہوئی شاخیں تو بہ
نشے میں جھومتا ہو جیسے کوئی بادہ گسار

پھول پہنے ہوئے کرنوں کا طلائی زیور
رشکِ صد جنت نظارہ ہے ہنگامِ بہار
وادیاں پیرہنِ سبزہ و گُل پہنے ہیں
آبشاروں کی رِدا اوڑھے کھڑے ہیں کُہسار
جیسے طاؤس ہوں صف بستہ کہیں مائلِ رقص
ڈل کے ساحل پہ یہ دلچسپ درختوں کی قطار
نکہت و نور سے لبریز صبا مشک بدوش
محوِ نغمات پھرا کرتی ہے مستی بہ کنار
کشتیاں جھیل میں یوں ڈول رہی ہیں جیسے
بھرے ساون میں مزہ دیتی ہے جھولوں کی بہار
وہ سحر گاہ، وہ ناؤوں کے حسین محلوں میں
ہر طرف ریشمی پھولوں کا مہکتا بازار
نکہتیں پھرتی ہیں اتراتی ہوئی چار طرف
من چلے سیب کے باغات میں گاتے ہیں ملہار
سبزہ زاروں میں ہے چرواہوں کی بنسی کا فسوں
جیسے چھیڑا ہو مغنّی نے کہیں سبز بہار
جیسے گلگشت میں ہوں اندر سبھا کی پریاں
زعفران زاروں کے دامن میں حسینوں کی قطار

مرد و زن محو ہیں نظّارے میں جل پریوں کے
قابلِ دید ہے پانی میں مچھیروں کا شکار

ایشیا جس پہ ہے نازاں وہی گلشن تو ہے
تو حقیقت میں ہے کشمیر ارم ہی کی بہار

ہم لہو دے کے بھی دامن نہ ترا چھوڑیں گے
اک زمانے سے تجھی پر ہے نگاہِ اغیار

ہند والے تجھے فردوسِ وطن کہتے ہیں
دیکھ کر حُسن ترا تجھ کو دلہن کہتے ہیں

فردوسِ کشمیر

تسنیم فاروقی

آرزوے جہاں زندگی سے حسیں
میری فردوسِ ارضی مری نازنیں
تیری باہوں میں تابش ہے سیماب کی
تیرے شانوں پہ ہے جلوۂ مرمریں
تیرے مصحف پہ قربان ہے چاندنی
مہرِ نو چوم لیتا ہے تیری جبیں
تیرے ابرو ہیں خمدار پگ ڈنڈیاں
تیری آنکھیں ہیں جھیلوں کا عکسِ حسیں
دامنِ سبزہ و گُل ہے تیری قبا!
ابرپا سے تیرے گیسوے سُرمگیں
اِک سُنہری سحر ہے تری سرزمین
ہیں فضائیں تری کتنی برف آفریں

خیمۂ برف میں یہ حسیں چوٹیاں
شیش محلوں کا ہوتا ہے جن پر گماں
عالم نکہت گیسوئے گل رُخاں
یہ فضاؤں میں بکھری ہوئی زعفراں
یہ سمن زار یہ نرگسی وادیاں
دلویاں جیسے اوڑھے ہوئے چنریاں
ندیوں کی روانی ہے کہسار میں
ہر طرف غُل مچاتی ہوئی گھاٹیاں
یہ جزیروں میں گلبار خود رَو شجر
جیسے آداب کہتے ہوئے مہ وشاں
ہر روش اپنا چولا بدلتی ہوئی
ہر کلی کی مسکتی ہوئی چولیاں
کیسے شاداب و سرسبز و خوش پوش ہیں
یہ ثمر دار یہ باغ یہ گلستاں!
جیسے پارہ پگھلتا ہوا کہسار سے
نقرئی آبشاروں کا دلکش سماں!
ڈل کے ساحل پہ یہ روشنی کے ستوں
جیسے پہرے پہ مشعل لئے پاسباں!

جیسے کہرے میں رقصاں پری زاد ہوں
یہ شکارے یہ لہروں کی اٹکھیلیاں
ناخدا ناو میں گیت گاتے ہوئے
کارواں، کارواں، کارواں، کارواں
کہکشاں، کہکشاں، کہکشاں، کہکشاں
گوشہ گوشہ حسین فریہ فربہ جواں!
دُور تک گُل کدوں کی حسیں چھاؤں میں
میرے افکار و احساس کے پاؤں میں
تیرے نو خیز پھولوں کی زنجیر ہے
نکہتیں ہیں مناظر ہیں تنویر ہے
ان گِنت چاند تاروں کی تصویر ہے
میرے زرتار خوابوں کی تعبیر ہے
مُسکراتی ہوئی ارضِ کشمیر ہے

●

للہ عارفہ

جعفر طاہر

اُدھر کوہساروں کے دامانِ رنگیں میں آباد ہے اِک چناروں کی وادی
مہکتے ہوئے مرغزاروں کی وادی لہکتے ہوئے آبشاروں کی وادی
ہری کھیتیوں، سرمئی گھاٹیوں، نیلے دریاؤں کی جنّتِ دِلنشیں ہے
یہی اہلِ دِل کا وطن ہے یہی ریشیان گرامی کا خُلدِ بریں ہے
وہ چشمہ بہ چشمہ لرزتے ہوئے بیدِ مجنوں کی شاخوں کے معصوم سائے
وہ سایوں کے سیلاب میں کتنے پھولوں کی پریاں شبِ آہنگ شمعیں جلائے
وہ دریا بہ دریا سفینے سفینے کنارے کنارے ہزاروں شکارے
جہاں گُل و سبزہ و زعفران کے وہ ایمان پرور مقدّس نظارے
وہ دُنیا جِسے شاہ میری شہنشاہوں کے فضل و کرم نے سنوارا
نشیبوں کی ذلت میں دم توڑتی قسمتوں کو دیا اُلفتوں کا سہارا

جہالت کی تاریکیاں دور ہونے لگیں علم و عرفان کی زریں ضیا سے
اندھیروں میں لپٹی ہوئی وادیاں جگمگانے لگیں بڑھ کے ماہ و سہا سے
وہ اقلیم کرتے رہے جس کی چک شاہی سلطان بھی عمر بھر پاسبانی
کئی مدرسے، مقبرے، مسجدیں، خانقاہیں اس دور کی ہیں نشانی
وہ ابرِ کرم کی طرح کھل کے برسا کئے، دشت و کوہ و بیاباں کی جانب
رہیں اُن کی آنکھیں ہمیشہ زمین کی طرف اپنی دنیا کے انسان کی جانب
کنشت و کلیسا کی تقدیس کے سلسلے میں کئے لاکھ فرمان جاری
مساجد میں حفاظ و قاری، سبھاؤں میں اپنی جگہ شاد پنڈت پجاری
مگر شاہ بڈشاہ کے دور کی مختلف ہے مرے دوستو یہ کہانی
سُنو ایک دختِ برہمن کی یہ داستاں آج کی شب اسی کی کہانی

پنڈت بشن نارائن در آبر

اے کاشمیر تو چمنِ بے نظیر ہے
شیدا ترا جوان کی صورت سے پیر ہے
تجھ پر ازل سے فضلِ خدا بے کبیر ہے
جس کو لگی ہے لو تری روشن ضمیر ہے
ہے آرزوئے دل کہ تری آرزو کریں
جب تک زبان تر ہے تری گفتگو کریں
جو ہے ہزار جان سے تجھ پر نثار ہے
گُل سے عزیز ہم کو ترا خار خار ہے
سرتاج دہر ہند کا افتخار ہے!
رنگین تجھ سے یہ چمنِ روزگار ہے

مدّت سے اِشتیاق ہے اِک بار دیکھ لیں
بُلبل ہیں چشمِ شوق سے گُلزار دیکھ لیں
سب کرتے آئے ہیں تری توصیف اور ثنا
تیری زمین ہے زیرِ فلک شانِ کبریا
دیکھا نہیں ہے آنکھ سے کانوں سے ہے سُنا
ہے یہ شنید دید سے بھی معتبر سِوا
اب کچھ ہو پہلے تو چمن بے مثال تھا
کیا حال سے غرض ہے یہ ماضی کا حال تھا
فرش زمین کا عرش سے پایہ بلند تھا
ہر قصر شکلِ بام مسیحا بلند تھا
شمشادِ باغ شاہدِ بالا بلند تھا
ذرّوں کا مرے بھی سِتارا بلند تھا
آب و ہوا کو حکم جو تھا زمہریر کا!
بازلہ سرد رہتا ہے ماہ منیر کا!

کشمیر

سروش عسکری طبا طبائی

وہ سر زمینِ نشاطِ دل و دماغ جہاں
ہوائیں چلتی ہیں عطرِ عروس میں ڈوبی
وہ ارضِ سبزہ و آبِ رواں و باغِ جہاں
ہر اک شگوفۂ نو رس ہے جانِ محبوبی
جہاں گلاب میں پیاسی نگاہ ڈھلتی ہے
جہاں مدام رگِ گل پہ اوس تلتی ہے
جہاں سحاب کے جھولے میں مہر ہوتا ہے
کنارِ آب ہیں ڈیرے جہاں بہاروں کے
جہاں میانِ شبِ ماہتاب ہوتا ہے
کلی کا رقص ترنم پہ آبشاروں کے
جہاں ہے صوتِ جلاجل پھوار کی چھم چھم
ادائے خاص سے گھنگرو بجاتی ہے شبنم

ہے رنگ و بُو کا تلاطم جہاں گلستاں میں
جہاں مچلتی ہے ہر کُنج میں نئی خوشبو
ہوائیں عطر چھڑکتی ہیں سنبلستاں میں
سنوارتی ہیں ہوائیں بہار کے گیسو
فضا میں لیتا ہے انگڑائیاں خمارِ جہاں
جوان ہوتی ہے دوشیزۂ بہارِ جہاں
وہ پُر بہار شبستاں صبا کا گہوارہ
سکون پاتی ہے سلمائے آرزو جس میں
وہ بزمِ ناز وہ فطرت کا آئینہ خانہ
سنگار کرتی ہے لیلائے رنگ و بُو جس میں
پری بہار کی گھونگھٹ میں مُسکراتی ہے
ہر ایک جھیل نئی آرسی دکھاتی ہے
ہماری دُکھ بھری دُنیا سے اِک الگ دُنیا
جہاں ہوائے غم و یاس آ نہیں سکتی
وہ عید گاہِ نظارہ وہ گلشن یکتا
بہار جس کی خزاں کو بھی پا نہیں سکتی
ہے آبجُو پہ جہاں کوہسار کا سایہ
چمن پہ رحمتِ پروردگار کا سایہ

وہ کیفِ شام و بہارِ سحر کا مجموعہ
وہ نور و نزہت و رنگ و شباب کا مخزن
شمیم و شبنم و لعل و گہر کا مجموعہ
عبیر و عنبر و مشک و گلاب کا مخزن
جہاں کنول متبسّم ہیں جوئے باروں میں
بہارِ ہستی ہے کیسر کے کشت زاروں میں
وہ سر زمین کہ تاریخ سے ہے مالا مال
ہے ذرّہ ذرّہ جہاں مظہرِ جلال و جمال
وہ باغ جس کے نواسنج حافظ و خیام
ہے گوشہ گوشہ جہاں کعبۂ خواص و انام
جہاں پہ بابر و غوری نے ترکتازی کی
جہاں پہ عشق میں محمود نے "ایازی" کی
وہ ایک صنعت و حرفت کی درس گاہِ عظیم
وہ علم و حکمت و شعر و ادب کا گہوارہ
بہشتِ فلسفی و شاعر و ادیب و حکیم
قرار لیتے ہیں جس جا خیالِ آوارہ
جسے بسایا ہے نکہت سے غنچہ و گل نے
جنم لیا جہاں فردوسی کے تخیّل نے

بہار خیز و نظر کش و خطّۂ رنگین
جہاں کی فصلِ مناسب عیش و عشرت کو
وہ اک دیارِ پُر انہار و چشمۂ شیریں
جہاں کی آب و ہوا راس ہے محبّت کو
وہ حُسنِ نورِ جہاں وہ بہار کی تصویر
وہ خوابِ عشق جہانگیر کی کُھلی تعبیر
وہ ذوق و شوق کی رنگینیوں کا افسانہ
وہ "لالہ رُخ" کے سفر ہائے شوق کی منزل
نیاز و ناز کی گل چینیوں کا افسانہ
وہ حُسن و عشق کی ہنگامہ آفریں محفل
جہاں کچھ ایسے بھی جلوے دکھائے جاتے ہیں
کہ برقِ طور کے خرمن جلائے جاتے ہیں
کسی حسین کے رنگین خواب کا پرتو
طلسمِ رنگ و جادو کیا ہوا گلشن
وہ روزِ ابر و شبِ ماہتاب کا پرتو
وہ دیویوں کا سنگھاسن وہ پریوں کا مسکن
کنول میں روپ جہاں لکشمی دکھاتی ہے
حسین جھیلوں میں وینس سدا نہاتی ہے

وہ بے شمار مناظر کی پُرسکوں منزل
ازل میں تھی جو دبستانِ مانی و بہزاد
شگفتگی وہ بہار و شباب کی محفل
جسے بجا ہے زمانہ کہے جو "خلد آباد"
وہ ہر تخیّل نقش و نگار کی تصویر
وہ ہر تصوّرِ حُسن و بہار کی تصویر

●

وہ اک فسانۂ دلکش وہ اِک حسین تمثیل
وہ رنگ و نُور میں فطرت کی بہترین تصنیف
وہ ایک نظمِ مُرصّع وہ ایک خوابِ جمیل
وہ اک مُرقّعِ رنگین و شاہکارِ لطیف
وہ اِک اچھوتی سی تشبیہہ شوخئ فطرت
اِک اِستعارۂ حسن و سلیقۂ قدرت

●

ازل میں قافلۂ رنگ و بو جہاں ٹھہرا
لطافتوں کو میسّر ہوا جہاں یہ شباب
جہاں فلک سے صحیفہ بہار کا اُترا
جہاں نہ کیف کی حد ہے نہ مستیوں کا حساب
پہنچ کے آب لبوں تک شراب ہوتا ہے
جبیں پہ آکے پسینہ گلاب ہوتا ہے

●

وہ جوشِ حُسن و وفورِ بہار کی منزل
وہ شعر و نغمہ وہ کیف و شباب کی دُنیا
وہ سبزہ و چمن و جوئبار کی منزل
وہ رنگ و بُو کا فسانہ وہ خواب کی دُنیا
بشر کے ہاتھ سے خاک اور خوں میں غلطاں ہے
یہ وہم ہے کہ حقیقت کہ خوابِ زنداں ہے

●

عکسِ کشمیر

خضر برنی

خوش نما گلشن میں زیرِ آسمانِ نیل گوں
چھاؤں رنگین بادلوں کی جس پہ رنگ افشاں ہے یوں
رس بھرے ہونٹوں پہ جیسے مسکراہٹ کا فسوں

اِک تبسم زار اِس کے لالہ زاروں کا سماں
اِک ترنم زار اِس کے جوئے باروں کا سماں
جاں فضا و رُوح پرور کوہساروں کا سماں

مسکراتے ہیں یہاں شاداب نسرین و سمن
رقص پیرا ہے شمیمِ یاسمن و نسترن
کھینچتا ہے دامنِ شاعر کو یہ رنگین چمن

یہ خُنک یہ تازہ جھونکے کیفِ مستی میں ہیں چُور
کر کے آتے ہیں یہ برفانی پہاڑوں کو عبور
ان کے دم سے ہر چمن ہے مسکنِ رنگ و سرُور

نغمۂ رقص آفریں کی لَے پہ دم بھرتی ہوئی
ناچ میں رقاصہ پاؤں جیسے ہو دھرتی ہوئی
جھومتی ہے یادِ مستی اٹکھیلیاں کرتی ہوئی

دور سے آتی ہیں راہیں پیچ و خم کھاتی ہوئی
دامنوں کو اپنے کوہساروں سے اُلجھاتی ہوئی
گھاٹیوں سے بھی گزر جاتی ہیں لہراتی ہوئی

کوئی دیکھے شامِ اَبر آگیں چرخِ نیل فام
یوں نظر آتی ہیں رنگین بدلیاں محوِ خرام
جھیل ڈل میں جس طرح ہو کشتیوں کا رقصِ شام

ہر گھڑی وادی میں ہیں اِن نغمہ زاروں کی جھلک
یعنی موسیقی بداماں آبشاروں کی جھلک
ارغوانی خواب سے بے خود بہاروں کی جھلک

کشمیر ہمارا

امر چند قیس

اِس خطے کا ہر جلوہ ہے جنّت کا نظارہ
مرکز ہے نگاہوں کا یہ آنکھوں کا ہے تارا
ہے دِلکش و دِلدار، دِل آرام و دِل آرا
کشمیر ہمارا

جنگل ہیں فسوں کار تو کوہسار دِل آویز
چشمے ہیں طرب خیز تو گُلزار طرب ریز
صورت گرِ تقدیر نے خوُد آپ سنوارا
کشمیر ہمارا

ہر ذرہ ہے اِس خاک کا خورشید بہ آغوش
ہر سنگ گہر پاش تو ہر خار ہے گُل پوش
ہے خُلد نظر، رُوح فزا سارے کا سارا
کشمیر ہمارا

ہر سمت مہکتا ہوا طوفانِ بہاراں
ہر گام جھلکتا ہوا سو حُسن کا ساماں
تعمیر و ترقی نے بھی کچھ اور نکھارا
کشمیر ہمارا

تہذیب و تمدن کا ہے گہوارہ ازل سے
ہر وقت یہاں رہتے ہیں عرفان کے جلسے
ہر علم کا مرکز ہے تو ہر فن کا ادارہ
کشمیر ہمارا

جرأت میں بھی ہے مثل، شجاعت میں بھی ہے فرد
مُنہ غاصب و جابر کے نہ کیوں دیکھ کے ہوں زرد
کچھ شک نہیں اس میں کہ ہمارا ہے ہمارا
کشمیر ہمارا

اے جنتِ کشمیر

ظہیر غازی پوری

پھولوں پہ وہ شبنم کی کرن یاد ہے اب تک
وہ ہوش ربا سیرِ چمن یاد ہے اب تک
گلریز بہاروں کا وطن یاد ہے اب تک
جس سمت چلا نکہت گل راہنما تھی
کانٹوں کی نزاکت پہ بہار آپ فدا تھی
ہر منظرِ شاداب ہوا ہے میرا دل گیر۔ اے جنتِ کشمیر

جہلم کے کناروں نے پکارا تو چلا میں
شاداب چناروں نے پکارا تو چلا میں
جب ڈل کے نظاروں نے پکارا تو چلا میں
ہر حسن چمن زار سے سیراب ہوا ہوں
ہر وادئ گل پوش میں آوارہ پھرا ہوں
خوابوں سے حسیں تر ہے ترے خواب کی تعبیر۔ اے جنتِ کشمیر

وہ برف میں لپٹی ہوئی کہساروں کی جنت
گلمرگ فسوں تاب کے نظاروں کی جنت
اللہ وہ حسینوں کے وہ رخساروں کی جنت
معصوم نظاروں میں یوں ہی کھو گیا میں بھی
جیسے ترا اک جزوِ حسین ہو گیا میں بھی
صد رشک ترے قرب سے ہے عظمتِ تقدیر، اے جنت کشمیر

کچھ لالہ بدن شوخ بھی رنگین قبائیں
بکھری ہوئی کچھ موجِ تبسم بھی ہوائیں
مخمور سی صبحیں تو وہ پرکیف سی شامیں
جیسے کسی ساحر کی کوئی سحر گری ہو
یا آتشِ نمرود جو گلزار ہوئی ہو
تعریف ہو ممکن کیسے جرأتِ تحریر، اے جنت کشمیر

محسوس یہ ہوتا ہے کہ نغموں کی زمیں ہے
فردوسِ بریں سے بھی زیادہ ہی حسیں ہے
خم تیرے ہی قدموں پہ ستاروں کی جبیں ہے
سوچا ہے تو خوابوں کا محل پایا ہے تجھ کو
دیکھا ہے تو رنگیں غزل پایا ہے تجھ کو
آنکھوں میں پھرا کرتی ہے بس تیری ہی تصویر، اے جنت کشمیر

ہر نغمہ مِرا تیری بہاراں اثری سے
لیتا ہے خراج اب بھی نسیم سحری سے
اسلوب نیا مل گیا شبنم کو تری سے
تخئیل کی دولت بھی مجھے تو نے عطا کی
انداز نئے بخشے میرے فن کو جلا دی
ذرّوں سے تیرے کہکشاں کو ملی تنویر، اے جنّتِ کشمیر

سُنتا ہوں کہ تجھ پر بھی ہیں اغیار کی نظریں
مائل بہ کرم ہیں رسن و دار کی نظریں
کیا ظلم کہ ہیں پھول پہ تلوار کی نظریں
قدرت نے تجھے اپنے ہی ہاتھوں سے سنوارا
شہکار بنا کر تجھے دھرتی پہ اُتارا
پھر آنکھ میں دشمن کی چبھے کیوں کوئی شہتیر، اے جنّتِ کشمیر

میں دور ہوں اور میرے خیالات تیرے ساتھ
ساغر میرے ہاتھوں میں خرابات تیرے ساتھ
معلوم نہیں کب ہو ملاقات تیرے ساتھ
اے موجِ صبا دوش پہ تو اپنے بٹھا لے
پھر مجھ کو ذرا وادیٔ کشمیر دکھا دے
مہتاب جہاں روز چمکتا ہے تباشیر، اے جنّتِ کشمیر

●

کشمیر آ کر

مناظرِ عاشق ہرگانوی

یہ گھاٹی
یہ پربت
یہ جھرنے
یہ نالے
یہ گُلشن
یہ سبزے
یہ اخروٹ، شہتوت، چیری کی وادی
چناروں کی وادی
بہاروں کی وادی!
یہ سیبوں کی خوشبو!!
چہکتے دمکتے
خلوص و وفا کے

یہ پیکر یہاں کے
جنہیں دیکھنے کو
برسہا برس سے مسافر کی ٹولی
چلی آ رہی ہے!
اِسی ارضِ جنّت میں
میں بھی کئی سال سے آ رہا ہوں
خلوص و وفا کے
یہ پیکر یہاں کے
یہ جھرنے یہ نالے
یہ پربت یہ گھاٹی
یہ گلشن یہ وادی
مجھے اپنی بانہوں میں لے کر
بُلاتے رہے ہیں
بُلاتے رہینگے
مجھے تو یقین ہے!

●

پیر پنچال کے درّے پر

یوسف نیرنگ

میری نظر کی شفاف لہروں پر
اُبھر رہا ہے تیرا آہنیں پیکر
یہ کھُردراپن یہ بے ربط پتھروں کا وجود
یہ نوکیلے سے پُر خوف چوٹیوں کے سرے
تنگ درّے، یہ گہرائیاں یہ اُبھار
اور دامن میں پھیلے ہوئے سبزہ زار

حادثاتِ گذشتہ سُنانے ہیں آج
حسرتوں کے دِیئے جھلملاتے ہیں آج

ہو مُبارک تُجھے تیرا عزم جواں
میری گلپوش وادی کے اے پاسباں

جانے کتنے جواں اپنے ارماں سمیت
باد و باراں کی آغوش میں دب چکے
تیری دیوار کو پھاندنے کے لئے
جنوری کی ہواؤں میں نکلے تھے جو
کوہ فولاد دیوارِ سنگِ گراں

جہدِ آدم کی طاقت کا رازِ نہاں
آج سینے کے سوراخ سے پوچھ لو

بہاروں کے دامن میں

یوسف نیرنگ

سرمئی شام کے دھند لکے ہیں
ابر پارے ہوا میں بکھرے ہیں
ننھی بوندیں ہوا کے شانوں پر
مستیوں کے جہاں میں جھومی ہیں
جانے سوجھی ہے کیا ہواؤں کو
چھیڑ خانی کا گرم ہے بازار

جھاڑیوں کے زمردئی کنول
یہ صنوبر کے ملگجے سائے
ایسے دیوانہ وار ملتے ہیں
گویا بوس و کنار چلتا ہو
بیسوں چلمیں چرس کی پی پی کر
ایک بے فکر ہستی جوڑے میں

دور کہسار کی بلندی سے
آ دی صدا ترنم کی
یہ دیہاتی حسین کنہیائیں
سر پہ بنڈل اُٹھائے لکڑی کے
گھنے جنگل میں دن بسر کر کے
اپنے گاؤں کو لوٹ آئی ہیں
آنکھیں کھیتوں میں اُن کی کھلتی ہیں
یہ نظاروں کے دل میں پلتی ہیں
دامنِ کوہ کی تنگ راہوں پہ
ننگے پیروں یہ چلتی ہیں
یا دہکتے دنوں کی دوپہر کو
گھر کے چولہوں کے آگے جلتی ہیں
شالہ مار و نشاط کے گاؤں
ان کے اجداد کی رہائش گاہ
ان کے اجداد کے لہو سے ہی
مغلوں کے تیّا غ جھولے ہیں
ان کے ماؤں کے چہروں کی رنگت
اب بھی پھولوں میں جھلملاتی ہیں

لیکن اب بھی میں دیکھتا ہوں یہ
شالہ مار و نشاط کی شامیں
ڈل کی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے
مہک کلیوں کی شور چڑیوں کا
روٹھا روٹھا ہے سہما سہما ہے
ان دیہاتی غریب حوروں سے
جن کے دم سے بہار قایم ہے
جن کے دم سے خزاں کے منظر ہیں
جن کے خون سے نہا رہی ہے رات
اور دن عرق اُن کا پیتا ہے
یہ سماں اُن کے دم سے قایم ہے
زندگی اُن کے دم سے دایم ہے

●

صبحِ تمنّا

جاوید وشِشٹ

وادیٔ کشمیر کی رنگیں فضا
لے رہی ہے آج بھی انگڑائیاں
آج بھی سرچشمۂ صد رنگ ہے
ڈل کی دلکش سیم گوں گہرائیاں
آج بھی جھرنوں کی سُرلہر پہ نسیم
گنگناتی ہے پہاڑی دُھن میں گیت
آج بھی پیشِ ہجومِ رنگ و بُو
ہوتی رہتی ہے دلوں کی ہار جیت
آبشاروں کا ترنّم آج بھی
چھیڑتا ہے امن و آزادی کا راگ
آج بھی گاتا ہے کوئی سرفروش
جاگ اے کشمیر اے کشمیر جاگ

بڑھ رہی ہے تیری سرحد کے قریب
ظُلم و استبداد کی پرچھائیاں
امن کے رہزن ترقی کے رقیب
پھر رہے ہیں کاروان در کاروان
ہوشیار! اے ساکنانِ ارضِ گُل!
آدمی کے روپ میں پھرتے ہیں ناگ
ہوشیار! اِن سے کہ یہ ہیں راہ زن
لُٹ نہ جائے وادیٔ گُل کا سہاگ
اپنی آزادی کی خاطر ہر بَشر
آج دُشمن کو کرے گا سنگسار
شعلے لپکیں گے گُلِ خوش رنگ سے
اور برفانی چٹانوں سے شرار
زندگی ہے محرمِ تعمیرِ نو
آج ہے بیدار جنتا کا شعور
تیرے ماتھے سے عیاں ہے کاشمیر
صُبحِ گُل، صُبحِ تمنّا، صُبحِ نور

•

اشتراکِ بہار

قیصر جعفری

اپنے موسم پہ چلی آئی ہے پھر فصلِ بہار
قلبِ شہکار میں ڈھل جائیں گے فطرت کے نقوش
ہائے لیکن یہ اکیلے چلی آئی ہے
مرے کشمیر کے رنگین بہاروں کے بغیر
حُسن محبوس وہاں سبز طرب زاروں میں
عشق بے تاب یہاں سُرخ چناروں کے بغیر
جن بہاروں پہ مسلّط ہوں خزائیں قیصر
ان بہاروں کو بہاریں تو نہیں کہتے ہیں
ایک دن وادیٔ کشمیر بھی مل جائیگی
ہم خیالوں کے سہارے تو نہیں رہتے ہیں
گرمیٔ عشق جو پیدا ہو باندازِ جنوں
پھونک سکتی ہے ابھی گردشِ دوراں کا فسوں

●

ولی الحق انصاری

اتنے لطیف ایسے حسیں ہیں کہاں کے پھول
کیسے یقیں کروں کہ یہ ہیں اِس جہاں کے پھول

دُنیا کے نہیں ہیں یہ ہیں باغِ جناں کے پھول
آغوش میں زمیں کے ہیں آسماں کے پھول

دُنیا سے بڑھ کے حُسن میں یہ پارۂ زمیں
جنّت سے بڑھ کے خطۂ جنت نشاں کے پھول

خواہش ہے دیدِ گلشنِ فردوس کی جنہیں
کہہ دو یہ ان سے آکے وہ دیکھیں یہاں کے پھول

آکر کریں نظارۂ کشمیر ایک بار
گر دیکھنا ہو ایک جگہ کُل جہاں کے پھول

اِک سمت لہلہاتے ہوئے کھیت دھان کے
اِک سمت مُسکراتے ہوئے گلستاں کے پھول

ہر سمتِ سطحِ آب پہ ہنستے ہوئے کنول
صحنِ فلک پہ جیسے کھلیں زعفران کے پھول
سب کے حسین رنگ ہیں سب کی لطیف بُو
گلہائے صحنِ باغ ہوں یا خاکداں کے پھُول
ایسی حسین زمین پہ یہ معصوم صورتیں
شرمندہ جن کے حسن سے ہوں بوستاں کے پھول
اِن گُل رُخوں کے سامنے ہر چیز، ہیچ ہے
سبزہ کہاں کا، برف کہاں کی، کہاں کے پھول
جس کی حیات یاں ہو بسر وہ ہے خوش نصیب
دُنیا ہی میں دیکھ لے باغِ جناں کے پھول
آئے ہو سیرِ گلشنِ کشمیر کو اگر
تم بھی وکی کھلاؤ زبان و بیاں کے پھول
پیرایۂ سخن میں کرو پیش خونِ دِل
بکھراؤ بزمِ شعر میں قلبِ تپاں کے پھول
گلہائے شوق چھوڑ کر جاؤ بشکل شعر
لے کر چلو خلوصِ دِلِ دوستاں کے پھول

نعرۂ کشمیری

آزردہ دہلوی

ہو انقلاب طلب لاکھ حالتِ کشمیر
کریں گے فیصلہ خود مردِ قسمتِ کشمیر
بدل سکا نہ زمانے کا انقلاب ہمیں
مٹا سکا نہ عدو شان و شوکتِ کشمیر
بہشت بھی مجھے گر کوئی دے تو ٹھکرا دوں
مری نگاہ میں ہے ایسی عظمتِ کشمیر
بھلائیں ہند کا احسان غیر ممکن ہے
ہماری آنکھ میں ہے خونِ غیرتِ کشمیر
یہ خوب ہو گیا معلوم اب لٹیروں کو
کہ کس قدر ہے گراں مال و دولتِ کشمیر
وہ پردہ پوشی گناہوں کی کر نہیں سکتے
زمانہ جانتا ہے سب حقیقتِ کشمیر

خدا کی شان مُجاہد وہ آج بن بیٹھے
جنہوں نے لُوٹ لیا مال و حُرمتِ کشمیر
کسی فریب میں کشمیری آ نہیں سکتے
کہ اپنی آنکھ سے دیکھی ہے شامتِ کشمیر
ہمارا قائدِ اعظم ہے شیخ عبداللہ
زبانِ عام پہ ہے شیرِ جنّتِ کشمیر
جنونِ فرقہ پرستی پھٹک نہیں سکتا!
بہت بلند ہے ماحولِ ملتِ کشمیر
کریں وہ ناز اے آزردہ اپنی قسمت پر
کہ جن کو سونپ دی قدرت نے خدمتِ کشمیر

اے جنّتِ کشمیر

شارق میرٹھی

ہے اوس کی بوندوں میں مئے ناب کی تاثیر
ہے تیری گھٹاؤں میں گُل و لالہ کی تقدیر
رقصاں ہے فضاؤں میں عجب کیف کی تنویر
ہے موجِ صبا یا کوئی خوشبوؤں کی زنجیر
اے وادیٔ کشمیر

ہر گلشنِ رنگین ہے بہاروں کا حسین خواب
ہر چشمۂ شفّاف ہے آئینۂ مہتاب
ہر گام پہ کھلتا ہے تجلّی کا نیا باب
ہر ذرّہ تری خاک کا ہے حُسن کی تصویر
اے وادیٔ کشمیر

ہر پھول کے لب پر ہیں بہاروں کے فسانے
ہر غنچے کے سینے میں ہیں نکہت کے خزانے
باغوں میں ترے عام ہیں مستی کے ترانے
چڑیوں کا ہر اِک نغمہ ہے پیغام اید گیر
اے جنّت کشمیر

مے خانۂ تسکین ہے پہلگام کا منظر
جہلم سے ٹپکتا ہے مئے و جام کا منظر
کِس درجہ حسین ہے سحر و شام کا منظر
ہنستا ہوا آتا ہے وہ جاتا ہے جو دلگیر
اے جنّتِ کشمیر

پنہاں ہے تری خاک میں اخلاص کی دولت
تاباں سرِ کہسار ہے مہتابِ اخوت
محفل میں تری عام ہے دستورِ محبّت
اِنسان کی عظمت کا نشاں ہے تری تصویر
اے جنّتِ کشمیر

دشوار ہے تجھ کو تری منزل سے ہٹانا
آسان نہیں تیرے چراغوں کو بجھانا
مشکل ہے زمانے سے ترا نقش مٹانا
جب تیرے سپوتوں میں ہے اک عزم جہانگیر
اے جنّتِ کشمیر

ہند کی جنّتِ کشمیر

ساحر لکھنوی

حُسن کی بزمِ طرب جلوۂ قدرت کے چمن
نوُر و نکہت کے جہاں لالۂ حمرا کے وطن
دِل کی تسکیں کے سبب رُوح کی مستی کے پیام
دستِ ناظورۂ فطرت کے چھلکتے ہوئے جام
روکشِ خُلد و ارم ، ثانیِ فردوسِ بریں
سیر گاہِ مہ و انجم کی بہاروں سے حسیں
دُور اُفق پر کہیں ہلکا کہیں گہرا بادل
جیسے لہرائے کسی شوخ کا رنگین آنچل
اللہ اللہ یہ کِھلتی ہوئی کلیوں کا سماں
مُسکراتی ہوئی ہنستی ہوئی جیسی پریاں
آبشاروں کے ترنم کا یہ دِلکش جادو
زعفراں زاروں کے دامن کی مچلتی خوشبو

مہکی مہکی ہوئی بادِ صبا یوں آتی ہے
جیسے جنّت کے دریچوں سے ہوا آتی ہے
ذرّہ ذرّہ ہے ترا گلشنِ جنّت یہ کنار
سربلندی کے ہیں شہکار کہ صف بستہ چنار
زہرہ و نجمہ و ناہید و نگار و کلثوم
ہر طرف ہوش رُبا زہرہ جبینوں کے ہجوم
مست آنکھوں سے چھلکتی ہوئی کوثر کی شراب
سُرخ عارض ہیں کہ گلزارِ تمنّا کے گلاب
وہ کھنکتی ہوئی آواز وہ گفتار کا رس
جس طرح دُور سے آتی ہوئی آوازِ جرس
اے لطافت کدۂ حُسن و محبّت کشمیر
روکشِ خلد و ارم ہند کی جنّت کشمیر
صُبحِ تخلیق کہ فردوسِ تمنّا کہہ دے
ذہنِ شاعر بھی پریشاں ہے تجھے کیا کہہ دے

●

رباعیات

سورج کنول سرور

کشمیر ہے جانباز جیالوں کا وطن
پھولوں کا وطن زہرہ جمالوں کا وطن
شہرہ ہو نہ کیوں بزمِ جہاں میں اِس کا
یہ ارضِ حسین ہے باکمالوں کا وطن

•

اب کوئی نہیں بارِ الم سے پامال
چہرے پہ نہیں کسی کے اب گردِ ملال
ہر سمت فضاؤں میں اُجالا ہے یہاں
ہر ذرہ ہے کشمیر کا خورشید مثال

•

تسکینِ دِل زار کی صورت ہے یہیں
راحت ہے یہیں اور مسرّت ہے یہیں
کشمیر کی تعریف ہو کیا اِس کے سِوا
جنّت ہے اگر کہیں تو جنّت ہے یہیں

●

اب کوئی نہیں گردشِ دوراں کا اسیر
شاداب نظر آتے ہیں غریب اور امیر
اللہ رے تعمیر و ترقی کا فسوں
کشمیر بنا ہوا ہے فردوسِ نظیر

●

قیصر عثمانی

سینۂ کوہ پہ بل کھاتی ہوئی راہ گذر
رہ گذر ایسی کہ پیچ و خمِ گیسو ششدر
دیدنی سطحِ زمیں پر فلک بوس شجر
ایک اِک منظرِ رنگیں پہ قرباں دل و جاں
حُسنِ کشمیر کہ ہے مظہرِ شانِ یزداں

زینتِ فرشِ زمیں سبزہ و گُل کا قالین
ہے یہاں چرخ بھی رنگین زمیں بھی رنگین
اِس کا ہر صُبح حسین شام حسین رات حسین
رنگ و رعنائی کا ہے چاروں طرف سیلِ رواں
حُسنِ کشمیر کہ ہے مظہرِ شانِ یزداں

دامنِ کوہ میں سامانِ نشاط آج بھی ہے
خُلد بردوش گلستانِ نشاط آج بھی ہے
ہر کلی مصرعِ دیوانِ نشاط آج بھی ہے
تھا یہی باغ کبھی جلوہ گہِ نُورِ جہاں
حُسنِ کشمیر کہ ہے مظہرِ شانِ یزداں

رشکِ فردوس ہے کشمیر کا گوشہ گوشہ
نشہ پرور ہے یہاں سرد ہوا کا جھونکا
جھومتی گاتی ہوئی اُٹھتی ہے جب کالی گھٹا
رُوحِ مے خانہ نظر آتی ہے ہر سو رقصاں
حُسنِ کشمیر کہ ہے مظہرِ شانِ یزداں

یہ حسین ڈل ہے کہ پگھلی ہوئی چاندی کی بہار
اِس سرِ آب جہاں تخت نشین چار چنار
جلوہ افروز ہو رنگین شکاروں کی قطار
رازدانِ شبِ وصل یہ کشتی کے مکان
حُسنِ کشمیر کہ ہے مظہرِ شانِ یزداں

جس پہ مرتا ہے زمانہ یہ وہی وادی ہے
بن گیا جس کا فسانہ یہ وہی وادی ہے
ہے جو دُنیا میں یگانہ یہ وہی وادی ہے
چشم بد دُور یہ ہے گُل کدۂ لال رُخاں
حُسنِ کشمیر کہ ہے مظہرِ شانِ یزداں

دُلہن

شمیمہ شبنم

برف سے ڈھکی
فلک بوس چوٹیاں
سفید پوش سادھو
اپنے محبوب سے راز و نیاز میں محو
دھنک!
کسی دوشیزہ کا آنچل
کوہساروں سے گرتے
جھرنوں کا مدُھر سنگیت
پائل کی جھنکار
چناروں کے پتے، سبز اور زرد پتے
کسی کی یاد میں بے قرار
لہلہاتے کھیتوں کا سبز مخملی فرش

سپنوں کے شہزادے کے انتظار میں
بچھا ہوا
کہکشاں
دلہن کی مانگ میں افشاں کی جگمگاہٹ
الہڑ ندی کے سینے کی ہلچل
اُچھلتی کودتی
اپنے آپ میں مست اور مگن
سفیدوں کی سادگی
فطرت کا حُسنِ دلفریب
سرمئی شاموں پر
چشمِ نرگس کے کاجل کا گماں
مُردہ دلوں میں
نئی روح پھونکنے والی نسیم نو
نیلی نیلی جھیلوں میں
پرسکون آنکھوں کی گہرائی
پھولوں کی رانی شبنم کے موتیوں کا ہار پہنے
عروسِ فطرت کا
حُسنِ بے نظیر۔

بال بیکا ہو نہیں سکتا کبھی کشمیر کا

روشن پانی پتی

نوجوانو امتحاں ہے عزّت و توقیر کا
کام کرنا ہے تمہیں اب قوم کی تعمیر کا
چارسُو غوغا ہے رَن میں ہند کی شمشیر کا
ہندیوں کے ہاتھ ہے میدان دار و گیر کا
یہ اِشارہ ہے ازل سے کاتبِ تقدیر کا
بال بیکا ہو نہیں سکتا کبھی کشمیر کا

دُشمنِ سفّاک سے حق کے لئے لڑ جاؤ تم
جذبۂ حُبّ وطن کے نام پر اڑ جاؤ تم
لشکرِ حرص و ہوا پر ٹوٹ کر پڑ جاؤ تم
شرم رکھّو قوم کی یا شرم سے گڑ جاؤ تم
دِل نشین سب کے کرا دو معجزہ تدبیر کا
بال بیکا ہو نہیں سکتا کشمیر کا

فتح و نصرت کے خوشی کے زمزمے گاتے چلو
ہاں زمین و آسماں کو ہوش میں لاتے چلو
چپّہ چپّہ پر ادا و ناز سے چھاتے چلو
تم فضاؤں میں نشانِ قوم لہراتے چلو
حوصلہ تم کو بڑھانا ہے جوان و پیر کا
بال بیکا ہو نہیں سکتا کبھی کشمیر کا

اس کو تم وادی نہ سمجھو ہے یہ شیروں کی کچھار
ہیں یہاں سرو و سمن باندھے ہوئے فوجی قطار
روکشِ گلزارِ جنّت ہے یہ سارا لالہ زار
لُٹ نہیں سکتی کسی سے اِسکے پھولوں کی بہار
ہے بھلا کس کو جہاں میں حوصلہ تسخیر کا
بال بیکا ہو نہیں سکتا کشمیر کا

حُسن میں ڈوبی ہوئی ہے ہر ادا کشمیر کی
سرفروشوں کو بُلاتی ہے فضا کشمیر کی
بھا گئی ہے رُوح کو آب و ہوا کشمیر کی
آ رہی ہے میرے کانوں میں صدا کشمیر کی
نو جوانو قول ہے یہ روشنِ دلگیر کا
بال بیکا ہو نہیں سکتا کبھی کشمیر کا

کشمیر ہمارا

عزیز ربانی جونپوری

یہ خطۂ رنگین و دل آویز دل آرا — اللہ نے جنت کو زمیں پر ہے اتارا
کشمیر کا ہر منظرِ شاداب ہے پیارا — کشمیر ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

تہذیب کی جنت ہے تمدن کا چمن ہے — ہر شاعر و فن کار کے خوابوں کا وطن ہے
یاں سب کی زبانوں پہ یہی ایک سخن ہے — کشمیر ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

اس خاک کے ذرات پہ قرباں مہ و انجم — جنت کی بہار اس کے چمن زاروں میں ہے گم
گاتے چلو اس نغمۂ پُر کیف کو ہم تم — کشمیر ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

ہوتا ہے یہاں مانعِ قدرت کا نظارا — ملتا ہے یہاں دل کو سکون اور سہارا
کہتا ہے ہر اک شاخِ نشیمن کا اشارا — کشمیر ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

یہ کھیت یہ تالاب یہ جھیلوں کا کنارا — اس جنتِ ارضی کا ہر اک نقش ہے پیارا
شملہ سے صدا آئی ہمالہ نے پکارا — کشمیر ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

گزرا ہے یہیں اپنی محبت کا زمانہ — لکھا ہے یہیں حادثۂ دل کا فسانہ
اے یادِ گزشتہ وہی پُر کیف ترانہ — کشمیر ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

اس خاک کو دیں صبحِ بنارس نے دعائیں — لیتی ہے کبھی شامِ اودھ بڑھ کے بلائیں

دی تاج محل اور اجنتا نے صدائیں — کشمیر ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

اللہ رے گلمرگ کی پُر نور فضائیں — حورانِ جناں بھی جہاں تعظیم سے آئیں

اور یہ نغمہ سنائیں — کشمیر ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

بھارت کی جوانی ہے تری نورِ جہانی — ہے تجھ میں نہاں کتنی پُر اسرار کہانی

کہتی ہے جہانگیر کی ایک ایک نشانی — کشمیر ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

ہے صبحِ حرم بھی ہے یہاں شامِ بتاں بھی — نظروں میں ہے یک رنگی و وحدت کا سماں بھی

سیتا بھی غزل خواں ہے یہاں نور جہاں بھی — کشمیر ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

یہ سرد ہوا روح فزا جلوہ فشانی — ایک ایک نفس عطر فشاں رات کی رانی

کہتی ہے گل و لالہ و نسرین کی جوانی — کشمیر ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

وادیٔ کشمیر

عالم صدیقی امروہی

اے وادیٔ کشمیر
مجموعۂ صد حسن ہے اک عشق کی تصویر
ہر نور سے معمور ہے یہ زلفِ گرہ گیر
نیرنگیٔ فطرت کی نظر آتی ہے تفسیر
اے وادیٔ کشمیر

وہ پھیلے ہوئے دور تک سلسلے ڈل کے
ہیں کیف میں ڈوبے ہوئے راتوں کے دھندلکے
راتوں کی سیاہی میں بھی ہے صبح کی تنویر
اے وادیٔ کشمیر

آنکھوں میں اتر جاتی ہے فردوس کی رانی
شاعر کے ترنم میں ہے منظوم کہانی
دیکھا ہوا ہر خواب ہے شرمندہ تعبیر
اے وادیٔ کشمیر

خاموش فضاؤں میں بھی اک حسنِ بیاں ہے
سنسان نظاروں میں بھی اک کیف نہاں ہے
پھولوں سے بھی نازک ہے یہاں حلقۂ زنجیر
اے وادیٔ کشمیر

چشمہ شاہی

اختر فاروقی

چشمۂ شاہی سماں دِلچسپ ہے تیرا عجب
مِٹ رہے ہیں دیکھ کر تجھ کو سبھی رنج و تعب
تابشِ جلوہ سے کِس کے تو سراپا آب ہے
کِس سے ملنے کے لئے تو اِس قدر بیتاب ہے
ولولہ کِس چیز کا دِل میں تیرے پنہاں ہے
بے تحاشا کِس کی فرقت میں تو یوں گریاں ہے
کِس نے تڑپایا ہے تجھ کو بے محابا اِس قدر
لڑکھڑاتا جا رہا ہے خود تو تو کوہسار پر
آ کے بے پرواز افرازِ کوہ سے کھو کر حواس
گر کے تالابوں میں رہتا ہے تو کیوں پامال پاس

گا رہا ہے تو ترانے کس کے شوقِ دید میں
نغمہ زن تیرا نوا، تارِ رگِ خورشید میں
تیرا اگر یہ ہے سراسر گُل ہنسانے کے لئے
خندہ روئی اُس کی بلبل کو دکھانے کے لئے
کس قدر شفقت بھرا ہے تیرا پاکیزہ لہو
بے تامُل بھر رہا ہے تشنہ کاموں کے سبُو
تجھ سے ساری تمکنت کرتے ہیں حاصل باغ و زاغ
گلشنوں میں تجھ سے جل اُٹھتے ہیں لالوں کے چراغ
تو دلِ شوریدہ کو دیتا ہے سوزِ سروری
بے نواؤں کو سُنا دیتا ہے پیغامِ خودی
ہر ادا تیری نحشتی ہے دِل کو آگہی
قطرے قطرے سے ٹپکتی تیری شانِ شہی

●

وادیٔ کشمیر

پنڈت چاند نرائن ریبہ چاند

وہ ڈل میں نظر کش شکاروں کا منظر   شکارہ نشین گلعذاروں کا منظر
وہ کوہ و دمن لالہ زاروں کا منظر   وہ اشجار دلکش نظاروں کا منظر
وہ دریا و نل میں ستاروں کی دنیا
گل و نسترن، مرغزاروں کی دنیا
ہے اک سلسلہ اوج و پستی کا کشمیر   گماں کش یقین آفرین ہے یہ تعمیر
ہے چشموں کی پانی میں کوثر کی تاثیر   ہر اک اس کا منظر ہے جنت کی تصویر
یہ تصویر ہے شاہکار مصوّر
ہر اک نقشہ آئینہ دار مصوّر
سر دوش جہلم ہزاروں مکاں ہیں   جہاں میں بھلا ایسا دریا کہاں ہے
مکاں گا ہے استادہ گا ہے رواں ہیں   ہیں درماندہ ہانجی مگر شادماں ہیں
وہ گانے ہیں تانوں سے واقف نہیں ہیں
مکاں گر، مکانوں سے واقف نہیں ہیں

کشمیر کی چیز جو ہے حسین ہے
کہ سونا اُگلتی یہاں کی زمین ہے
جو دوشیزہ ہے حورِ عرشش برین ہے
دلِ حسن پرور کی جنت یہیں ہے

یہاں کی فضا میں ہے جذبات خیزی
ضعیفی نے پائی جوانی کی تیزی

وہ گلمرگ کا منظرِ سرفرازی
وہ بادِ صبا کی ترنم نوازی
وہ فطرت کا شہکار صنعت طرازی
بنادے جو کافر کو یکسر نمازی

فلک بوس ہے اس کی شانِ بلندی
کہ ہے اس کی تعظیم کش ارجمندی

ملا تشنہ کاموں کو پتھر سے پانی
یہ ہے انتہائے سرِ مہربانی
یہاں کے بہار ایا مسرت، جوانی
یہ جنت نہیں ہے تو جنت کا ثانی

لطافت کی نازک سی زنجیر ہے یہ
مصوّر کے خوابوں کی تعبیر ہے یہ

اثر ہے جو جذبوں کی دنیا ہلا دے
جو بے حس کو بھی ایک شاعر بنا دے
جو حسنِ مکمل کا نقشہ دکھا دے
نظر کو جو مقصودِ دل سے ملا دے

اسی کا تو ہے نام وادیٔ کشمیر
وہ خالق کا شاہکار فطرت کی تشہیر

●

۴۴۴

فردوسِ خیال

ندیم مُراد آبادی

میں نے دیکھی نہیں جنّت تیری لیکن پھر بھی
اِک تصوّر سا نِگاہوں میں مگر پاتا ہوں
لُطف لیتا ہوں تیرا ڈل کے کنارے بیٹھا
سبزہ زاروں میں جو گُلمرگ کے کھو جاتا ہوں

دِن کا سورج ہے کہ پگھلے ہوئے سونے کی طرح
لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں بِکھر جاتا ہوں
شام ہوتے ہی چمنِ قوسِ قزح کی طرح
سِحر کُن نغموں کے عالم میں نِکھر جاتا ہوں

رہگزاروں کے تیرے ذرّے ہیں یا انجم فلک
چشمِ سیّاح میں خورشید مُبین ہوتے ہیں
تُو کہ شہکار ہے فطرت کا کہاں تیرا جواب
پھُول تو پھُول ہیں کانٹے بھی حسین ہوتے ہیں

مرا کشمیر

منصور نسیمی

ہر اِک ذرّہ یہاں مہرِ جبیں ہے
ہر اِک کنکر یہاں لعل و نگیں ہے
ہر اک منظر یہاں کا دِلنشیں ہے
ہر اک جلوہ یہاں کا حُورِ عیں ہے
مرا کشمیر فردوسِ بریں ہے

یہاں ہر دامنِ کہسار دِل کش!
یہاں ہر گلشنِ بے خار دِل کش!
یہاں ہر نخل و برگ و بار دِل کش!
یہاں ہر چیز رعنا ہے حسیں ہے
مرا کشمیر فردوسِ بریں ہے

گھٹائیں اِس کی رحمت کی گھٹائیں
ہوائیں ہیں محبت کی ہوائیں
فضائیں ہیں مسرت کی فضائیں
یہاں ہر چشمہ حوضِ انگبیں ہے
مرا کشمیر فردوسِ بریں ہے

لطافت ریز ہیں اِس کے نظارے
نِشاط انگیز ہیں پانی کے دھارے
مسرت خیز ہیں چاند اور تارے
جوابِ عرش اِس کی سرزمیں ہے
مرا کشمیر فردوسِ بریں ہے

ہر اک فن اِس کے سانچے میں ڈھلا ہے
ادب آغوش میں اِس کی پلا ہے
تمدّن سائے میں پھولا پھلا ہے
فرشتہ ہے یہاں جو بھی مکیں ہے
مرا کشمیر فردوسِ بریں ہے

●

کشمیر ہمارا ہے

نجم مظفر نگری

فطرت نے جسے اپنے ہاتھوں سے سنوارا ہے
جس خطّہ کا ہر ذرّہ خوش رنگ و دل آرا ہے
جو سارے زمانے کو سو جان سے پیارا ہے
کشمیر اُسے کہہ کر دنیا نے پکارا ہے
کشمیر ہمارا ہے، کشمیر ہمارا ہے

وہ وادیٔ جاں پرور گل پوش گزر گاہیں
ہر روز دکھاتی ہیں اُلفت کی نئی راہیں
محرومیٔ قسمت پہ بھرتے ہیں عدو آہیں
زیبائشِ عالم کا بے مثل نظارا ہے
کشمیر ہمارا ہے، کشمیر ہمارا ہے

خاموش فضاؤں میں بجتی ہوئی شہنائی
غنچوں کے تبسم میں اک عالمِ زیبائی
تصویرِ زمیں پر کیا جنت کی اُتر آئی

پھولوں کی تمنا کا رنگین سہارا ہے
کشمیر ہمارا ہے، کشمیر ہمارا ہے

اُس خطۂ رعنا پر، اُس جانِ تمنا پر
اس مرکزِ جلوہ پر اُس اوجِ ثریا پر
ہو جائیں گے ہم قرباں اُس حسنِ سراپا پر

دنیائے محبت میں جو انجمن آرا ہے
کشمیر ہمارا ہے، کشمیر ہمارا ہے

قلمروِ کشمیر

شام نرائن یکتا

نظر کہیں نہیں آتا جہاں میں اس کا نظیر
بہشت کا ہے نمونہ قلمروِ کشمیر
ہوا یہاں کی صبا ہے تو آبِ آبِ حیات
زمین کی خاک ہے رتبہ میں ہمسرِ اکسیر
بہار برف کی دیکھو اگر زمستاں میں
وہ لُطف آئے کہ مُنہ سے نہ ہو سکے تقریر
نہ سمجھو برف برستے ہیں فیضِ قدرت سے
سمن کے یہ گُل تر ہوں یا ریزہ ہائے عبیر
یہاں کے میوؤں کے ہمسر ارم ہیں شاید ہوں
زمین پہ ایسے کہاں ہیں لطیف اور کثیر

عجیب کیوں نہ ہو گلمرگ کے چمن کی فضا
فضا نے بخشی ہے پھولوں کو اس جگہ جاگیر
وفورِ لالہ و گُل ہر طرف ہے عشرت خیز
شگفتہ دِل ہو جو دیکھے اُسے کوئی دلگیر
نسیمِ باغِ ارم آئی ہے ادھر ورنہ
کہاں سے آئی یہاں کی ہوا میں یہ تاثیر
بروئے آب ہے ہر وقت کیا ہی فرحت یار
رواں ہر ایک طرف کشتیوں کا جمِ غفیر
ہٹائے وقتِ تماشا اُسے کوئی کیوں کر
نظر کے پاؤں کو پانی کی فوج ہے زنجیر
صفت بہار کی لکھنا ہوں اب عجب کیا ہے
قلم کی شاخ جو ہو گل فشاں دمِ تحریر
ہمیشہ یاوری بخت سے یہ ہو شاداب
بلا و رنج رہیں دشمنوں کے دامن گیر

فدا صاحب لاھوری

جنت سے سوا کشمیر میں ہے پر کیف نظارّہ پھولوں کا
مشتاق نگاہیں کہتی ہیں اس کو گہوارہ پھولوں کا

کیا نزہت کیا شادابی ہے نرگس کی نیچی آنکھوں میں
آنکھوں میں سمایا جاتا ہے رخ پیارا پیارا پھولوں کا

واللہ شگوفے کھلتے ہیں اس کثرت سے ہر وادی میں
چلتی ہے نسیمِ صبح یہاں لے لے کے سہارا پھولوں کا

اشجار پہ شاخیں پھوٹیں ہیں اس کثرت سے ہر وادی میں
یا فیض صبا سے زیرِ فلک چمکا ہے ستارہ پھولوں کا

پھولی ہے سرسوں ایک طرف، بادام کھلے ہیں ایک طرف
فطرت نے یہاں لے رکھا ہے گویا کہ اجارہ پھولوں کا

ہیں نیلے بھی اور پیلے بھی، گلناری اور پیازی بھی
یہ خطّہ ایک مسلسل ہے گلزار دلارا پھولوں کا

افراط فداؔ اس درجہ ہے اول سے یہ تمنا اٹھتی ہے
لاہور میں کیونکر لے جائیں اک بھر کے شکارہ پھولوں کا

رُباعیات

عارف سیمابی سیالکوٹی (ایم۔اے)

پیچ و خمِ رہگذر کی باتیں کر!
کچھ سیر کچھ شکار کی باتیں کر!
کچھ ڈل کے ویری ناگ کے افسانے کہہ
کچھ مستیٔ جوئبار کی باتیں کر

رعنائیٔ سبزہ زار کی باتیں کر
کچھ خطۂ مشکبار کی باتیں کر
کچھ قصۂ حسنِ زعفرانستان چھیڑ
کچھ جنتِ تابدار کی باتیں کر

کچھ چشمۂ کوہسار کی باتیں کر
کچھ نغمۂ آبشار کی باتیں کر
کچھ ذکرِ گل و لالہ نسرین ہو جائے
کچھ گلشنِ پُر بہار کی باتیں کر

آسودگی و قرار کی باتیں کر
کچھ فرحتِ قلب و ناز کی باتیں کر
ڈلر کی سرینگر کی روداد سُنا
کچھ سرو کی کچھ چنار کی باتیں کر

گلزار کی مرغزار کی باتیں کر
اس وادیٔ زرنگار کی باتیں کر
شائد دلِ بیتاب بہل جائے کچھ
گلمرگ کی شالمار کی باتیں کر

بہاروں کا بسیرا

تارا چند باغی

یہ وادئ شاداب گُلستانِ وطن ہے
یہ خطۂ سرسبز دِل و جانِ وطن ہے
یہ ارضِ حسیں باعثِ صد شانِ وطن ہے
یہ خُلدِ زمیں مرکزِ عرفانِ وطن ہے
ہر پھُول یہاں حُسنِ سراپا نظر آیا
ہر ذرّہ میں اللہ کا جلوہ نظر آیا

۲

گُل مرگ کے پھولوں کا عجب حُسن نُمو ہے
کیا جلوہ ہے کیا روپ ہے کیا رنگ ہے بُو ہے
کھِلتا ہوا گُل، بادۂ رنگیں کا لُہو ہے
اِک آتشِ سیّال کا منظر لبِ جُو ہے
لہروں میں جھلکتے ہیں سرِ شام ستارے
یا ساغرِ رنگیں میں مچلتے ہیں شرارے

۳

ہر نخل سرِ سینۂ کُہسار جواں ہے
جو گُل ہے سرِ شاخِ شجر مُشک فشاں ہے
بلّور سی شفاف ہر اِک جوئے رواں ہے
جو لُطف یہاں ہے وہ کہیں اور کہاں ہے
ڈالا ہے یہیں طلعتِ فردوس نے ڈیرا
ہر کنج میں مِلتا ہے بہاروں کا بسیرا

وہ چشمۂ شاہی کا چمکتا ہوا پانی
شنکر کی وہ چوٹی وہ چِناروں کی جوانی
نہرو کے خیابان کی گُل برگ نشانی
ڈل میں وہ سرِ شام شِکاروں کی روانی
سپنوں کا بسیرا ہے طلسمات کی وادی
دھرتی ہے کہ جاگے ہوئے جذبات کی وادی

یہ رُوح فزا جلوے دِل افروز نظارے
یہ کشتِ گُل و لالہ یہ بہتے ہوئے دھارے
ہر دیدۂ مُشتاق کو کرتے ہیں اِشارے
آجاؤ جہاں چھوڑ کے سایے میں ہمارے
آؤ کہ یہی سیرگہِ اہلِ قلم ہے!
سیّاح کی جنّت ہے مسافر کا ارم ہے!

وادیٔ کشمیر

حفاظت علی حفاظت

السّلام اے وادیٔ کشمیر بزمِ گلرخاں
السّلام اے سرزمینِ جنّتِ ہندوستاں
وادیاں ٹیلے چٹانیں جھرنے چشمے گھاٹیاں
کوہساروں لالہ زاروں میں جہاں کہکشاں
ناگنوں کی طرح بل کھاتی ہوئی اِک اِک ندی
مجمع گاہِ دلبراں ہر ایک کوچہ ہر گلی
اُونچی اُونچی گھاٹیوں پر رقص کرتی زندگی
حُسنِ بے پایاں قیامت اور اس کی سادگی
حُسنِ لامحدود کا پھیلاؤ تا حدِ نظر
جلوے رنگ و نور کے بہتے ہوا کے دوش پر

رس بھرے نغمے فضاؤں میں جوانی گھولتے
جیسے ناقوسِ برہمن یا اذانیں پو پھٹے
ہر نظر ہر گام پر جلوؤں میں کھونے کی ہوس
خاک ہونے کی تمنّا جذب ہونے کی ہوس
پھول، کلیاں رنگ و نکہت کی جوانی دُور تک
ختم جو نہ ہو سکے ایسی کہانی دُور تک
تُجھ میں کھو کر حسرتِ فردوس کم ہونے لگی
یک بیک لیکن نگاہِ شوق نم ہونے لگی
آج بھی تو ہائے میری دسترس سے دُور ہے
آشیاں! جیسے اسیر ہائے قفس سے دُور ہے
تُجھ کو دیکھا تو نہیں تیرا تصوّر کر لیا
دامنِ حسرت خیالِ جانفزا سے بھر لیا
جانے تو خود کیا ہے جب تیرا تصوّر ہے حسین
سامنا ہونے پہ تُجھ کو دیکھ پاؤں یا نہیں
"پاس بیٹا کے کبھی دریا نہیں آتا" یہ دہراتا ہوں میں
آنکھ لگتے ہی تیری دُنیا میں آجاتا ہوں میں
اے گُلِ تر تجھ پہ گلچیں کی نگاہیں دیکھ کر
چین کھو جاتا ہے اور شعلے اُگلتی ہے نظر

موڑ دیں گے وہ کلائی جو اُٹھے تیرے لئے
روک دیں گے گردشِ ایام کے بھی راستے
تیرے دیوانے تجھے ہونے نہ دینگے غیر کی
بخدا بڑھ کر نہیں تجھ سے ہماری زندگی
ہم چٹانوں کی طرح طوفان سے ٹکرائیں گے
دشمنوں کے واسطے سیلِ اجل بن جائیں گے
اے حفاظت سرنگوں شمشیر ہو جائے غلط
ہم رہیں! اور غیر کا کشمیر ہو جائے غلط

بہارِ کشمیر

نشاطؔ کشتواڑی

وادیٔ کشمیر کی یہ سرزمین
کس قدر دلکش ہے اور کتنی حسین
چرخ کی ہم مرتبہ ہے بالیقین
اِس پہ نازاں کیوں نہ ہو عرشِ بریں
ہاں اُسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جِس کا گلشنِ کشمیر ہے

کیا کہوں کتنا حسین گُلزار ہے
صنعتِ قدرت کا اِک شہکار ہے
چپّہ چپّہ اِس کا گوہر بار ہے
اِسکی خوبی ہو بیاں دُشوار ہے
ہاں اُسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جِس کا گلشنِ کشمیر ہے

ڈل ہو یا وُلر ہو جہلم ہو رواں
منظرِ قدرت یہیں سے ہے عیاں
خطۂ کشمیر ہے جنّت نشاں
محوِ حیرت دیکھ کر ہے آسماں

ہاں اُسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جس کا گلشنِ کشمیر ہے

دِلفریبی باغِ شالامار کی
اور نشاطِ باغ کی وہ دلکشی
آبشاروں کی بجتی بنسری
منظرِ قدرت کی وہ جادوگری

ہاں اُسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جس کا گلشنِ کشمیر ہے

کوہساروں کی قطاریں ہیں کھڑی!
جوں کناروں پر کھڑے ہوں سنتری
وردیاں پہنے ہوئے ہیں برف پر
دیکھ کر کھِل جاتی ہے دِل کی کلی

ہاں اُسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جس کا گلشنِ کشمیر ہے

آبِ شیریں کے وہ چشمے جا بجا
دیتے آئے ہیں پیامِ جاں فزا
چشمۂ شاہی ہے اِک آبِ بقا
آبِ ککرناگ بھی سب سے جُدا

ہاں اُسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جس کا گُلشنِ کشمیر ہے

دیکھئے گُل مرگ کی کیا شان ہے
چشمِ گردوں دیکھ کر حیران ہے
وادیٔ کشمیر کی وہ جان ہے
اِک سراپا حُسن وہ میدان ہے

ہاں اُسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جس کا گُلشنِ کشمیر ہے

ہاں چناروں کی وہ شانِ دِلرُبا
اور وہ سرو و صنوبر کی فضا
جھیلِ ڈل کے ہیں کنول کیا خوشنما
کشتیوں کا بھی نظارہ ہے جُدا

ہاں اُسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جس کا گُلشنِ کشمیر ہے

وادیٔ کشمیر کا حُسن و جمال
اور حسینوں کی ادائیں بے مثال
دیکھنے میں آئے قدرت کا کمال
تو رہیں ہوش و خرد کیونکر بحال

ہاں اِسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جِس کا گُلشنِ کشمیر ہے

اولیاؤں عارفوں کی سرزمین
عالموں اور عابدوں کی سرزمین
یہ ادیبوں شاعروں کی سرزمین
مسجدوں اور مندروں کی سرزمین

ہاں اِسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جِس کا گُلشنِ کشمیر ہے

اِس چمن پر ہر کوئی دیوانہ ہے!
جو بھی ہے اِس شمع کا پروانہ ہے
ہاں حقیقت میں یہ اِک میخانہ ہے
دو دو ہاتھوں میں لیے پیمانہ ہے

ہاں اِسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جِس کا گُلشنِ کشمیر ہے

جو یہاں بستے ہیں با توقیر ہیں
بلبلانِ گلشنِ کشمیر ہیں
کیا ہی دانشور جوان و پیر ہیں
اور باہمت ہیں با تدبیر ہیں

ہاں وہی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جس کا گلشنِ کشمیر ہے

دیکھئے وادی کے وہ فن کار ہیں!
ملک و ملّت کے جو خدمتگار ہیں
اپنی فن کاری میں وہ ہشیار ہیں
اُن کے فن پارے بھی کیا شہکار ہیں

ہاں وہی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جس کا گلشنِ کشمیر ہے

خطۂ کشمیر کے اہلِ ہنر!
دست و بازو میں ہیں جنکے سیم و زر
مرحبا شاباش اُن کے کام پر
دیکھ کر حیراں ہے ہر فردِ بشر

ہاں اُسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جس کا گلشنِ کشمیر ہے

قصۂ جنّت کہاں تک ہو بیاں
ہے قلم عاجز تو قاصر ہے زباں
اے نشاط اب تجھ میں وہ قوّت کہاں
توسنِ خامہ ہو جو تیرا رواں

ہاں اسی جنّت کی یہ تصویر ہے
نام جس کا گلشنِ کشمیر ہے

چاندنی رات میں جھیلِ ڈل کا منظر

سلطان الحق شہیدی

بدلیوں کی اوٹ سے اُبھرا ہوا ہے ماہتاب
یا کسی دوشیزۂ فطرت نے اُلٹی ہے نقاب
ذرہ ذرہ دے رہا ہے دعوتِ نظّارگی
کیا نگاہِ شوق رہ سکتی ہے اب بھی محوِ خواب

•

راستہ ڈل جھیل کا ہے یا گُذرگاہِ خیال
پاس سے جاتی ہے لے کر ناؤ اک زہرہ جبیں
جاگ اُٹھا میرے دِل کی دھڑکنوں کا زیر و بم
جب لبِ امواج نے چھیڑا سرودِ دِلنشیں

•

یہ مرے چنّو کی چھپ چھپ آ گئے پیچھے کی طرف
ٹپ ٹپ کا مصرعہ ہے ہلکوروں کی نظمِ شوق میں
زینتِ افلاک ہے اِک ساغرِ صہبائے عیش
یا تصوّر کی فسوں کاری ہے بزمِ شوق میں

•

جیسے نٹ کلیان میں گائے کوئی دو یکہ تال
صوفیانہ لَے سُنائے یا کوئی نِرَت بقال
یا نسیم و زُون کی آواز ہو بدلی ہوئی
شاعرِ رومان کی گائے غزل یا راج مال

•

ہلکی ہلکی بدلیوں کی سطح پر ہو جیسے لانچ
چاند یعنی آسمان کی اُڑنے والی طشتری
چاند! کیا پانی میں ہے یہ تیرا ہی عکسِ جمیل
شیشۂ ڈل میں ہے یا اُتری ہوئی نیلم پری

•

•

سطحِ ڈل پر چاند کی کرنوں کے ہیں یوں پیچ و خم
نقرئی تختے پہ جیسے اک عبارت زرنگار
ڈھالتا ہے نور کے سانچے میں یا پیغامِ وصل
حُسن کی دُنیا کا خالق عشق کا پروردگار

•

کہکشاں ہے یا کسی کوہکن نے لائی جوئے شیر
یا کسی ارجن کے ہاتھوں ہو گئی دہری کماں
یا کسی نے حضرتِ یزداں پہ ماری ہو کمند
وسعتیں ہوں یا ذوالفقارِ محبت کی عیاں

•

سعئ نا مشکور ہے یہ حکمتِ امروز کی!
یا کوئی ٹوٹا ہوا تارا گرا افلاک سے
وہ ہُنر کیا جس میں جذبِ شوق کی مستی نہ ہو
حق نہیں اس کا کہ وہ اُٹھے خس و خاشاک سے

•

•

بزمِ انجم تک رہی ہے روپہ لنک اور سوتہ لنک
میرے خوابوں کے جزیرے یعنی فردوسِ نگاہ
عہدِ ماضی کے فسانو! تم ہی بتلاؤ کہ آج
کون جانے، کتنے یہ کن کے عشق کی جولانگاہ

•

سینۂ کوہسار سے پھوٹی ہے چاندی کی بہار
یا کوئی ندّی رواں ہے دُور تا حدِ نظر
یا عروسِ شب کی افشاں یا ستاروں کا ہجوم
میکدہ بر دوش آئے ہیں سفیرانِ شہر

•

پتّے پتّے پر چمکتی ہے کرن مہتاب کی
یا کسی کی آنکھ کے دیپک ہوں روشن آس پاس
جسکی سانسوں جسکی زُلفوں جس کے عارض کی مہک
لذتِ قربِ حقیقی پر بھی رکھتی ہے اُداس

•

•

ابر کا ٹکڑا بلند دروازہ سا بنتا ہے جب
تو گزر جاتے ہیں اس سے چاند تارے ساتھ ساتھ
لال قلعے میں اُترتا ہے شہنشاہِ ظفر
یا کبوتر خانۂ فطرت میں آتی ہے برات

•

ڈل کا حسنِ سادہ و پُرکار ہے وجد آفریں
چاندنی پھیلی ہے یا سرسوں کے کھیتوں کی قطار
اِک سہانا منظرِ دلکش ہے فردوسِ نظر
اللہ اللہ جوششِ جذبِ دلِ بے اختیار

•

کیا خبر ہے شوخئ تعبیر کس کی داد خواہ
سرمئی ہے پیرہن ہر پیکرِ کوہسار
چشمۂ کوثر ہے یہ ڈل جنّتِ کشمیر میں
اِمتحاں لینا ہے یا کوئی دلِ بیدار

•

چاند ہے ڈل میں کہ اک رادھا ہے بزمِ ناز میں
انجم تاباں ہیں اس کے ساتھ یعنی گوپیاں
جو مہندی رات پہناتی ہیں اس کو شوق سے
حلقۂ گرداب بھی کیا ہیں طلائی بالیاں

●

مٹ نہیں سکتے کبھی گردشِ ایّام سے
کعبۂ ڈل میں پہاڑوں کے نشانِ آذری
گرچہ یہ معلوم ہے ہم کو خلیلِ وقت کا
چپہ چپہ پر جما ہے سکۂ پیغمبری

●

گوشۂ ڈل زار میں لرزاں ہیں اس طرح کنول
جیسے گردش میں فروغِ مے سے آجائیں ایاغ
آب میں تابندہ تاروں کی چمک ہے جلوہ ریز
یا دلِ عاشق میں روشن آرزوؤں کے چراغ

●

•

یہ طلسمِ کیفِ دل ہے یا فریبِ چشم و گوش
چاندنی نغمہ سرا ہے خامشی کے ساز پر
ہر حسین منظر سے ہے آباد فردوسِ خیال
کیوں نہ قربان جائیے فطرت کے اِس انداز پر

•

دِل کے آئینے میں خود کو دیکھ کر شرما گئی
ملکۂ حسنِ ازل یا چاند کا چھپنا بھی دیکھ
ڈل سے رہرہ بن کے وہ اُبھری گئی آکاش پر
جاگتے میں اے مرے ہمراز یہ سپنا بھی دیکھ

•

تھپکیاں دیتا ہے بن کے یاد کیف افزائے شوق
سرسراتا ریشمی آنچل جمالِ یار کا
چاندنی اب لیٹ کے ڈوب جاؤں کاش میں
اور ڈل کے بیچ ہو تعمیر تاج اک پیار کا

•

•

دودھیا ندّی فلک کی ڈل میں ہے جلوہ فگن
جبرئیلِ درد نے لائی ہے یا شاخِ نبات
شنکرو پربت کے دامن میں پلی وہ سیم بر
دیکھ کر شرمائے جس کو چاندنی میں کائنات

•

نغمۂ اندوہ افزا ہے فلک سے شعلہ ریز
سہمے سہمے قمقمے ہیں یا لبِ ڈل جلوہ بار
اس دلِ ویران میں تشبیہ ان کو کس سے دوں
حسرتوں کا ہے چراغاں یا کہ زخموں کی بہار

•

گگری بل کے ہاوس بوٹوں میں ہیں مستِ ناز
حُور وش مہ وش پری وش گلرخانِ سیم بر
ہیں شریکِ زیست کی باہنوں میں یوں لپٹی ہوئی
نشۂ آب و ہوائے ڈل میں یکسر بے خبر

•

چاند ہے آکاش کی آغوش میں جلوہ فروز
یا عروس ڈل کو فطرت نے دیا ننھا سا لال
عاشقانہ پن ہے اِس میں صاف ظاہر کیا خبر؟
سوہنی کو ڈھونڈنے نکلے گا کب یہ مہیوال

•

حبّہ خاتون جِس نے گیتوں کو دیا نقشِ دوام
گیت، جن میں لوچ ہے رَس ہے تاثر بے پناہ
اہلِ بینش گوشِ دِل سے سُن سکیں گے آج بھی
ہے فضائے بےخودی جس کی حقیقت پر گواہ

•

دودھ کے مٹکے میں سُنتے ہیں کہ اُترا ناگ راج
اِک فریبِ ذات کا شک تھا دلِ ہی مال میں
امتحاں کے واسطے کیا چاند بھی اُترا ہے آج
ڈر ہے مجھ کو ڈوب نا جائے کہیں پاتال میں

•

جامِ بلوّریں ہے ڈل روح القدس کے ہاتھ میں
عکسِ روے یار ہے جس میں جمالِ ماہتاب
حافظِ شیراز گلگشت و مصلّےٰ چھوڑ دے
وہ سحر کاری کا منظر ہے نہیں جِس کا جواب

•

محوِ آرائش ہے شاخِ گُل کنارِ آبِ ڈل
یا کوئی رقاصۂ نازک بدن سرگرمِ ناز
چاند ہے ڈل میں کہ ڈل کی روشنی ہے چاند پر
کِس قدر مُشکل ہوا جاتا ہے اِس کا امتیاز

•

چاند کا منظر کنارِ آبِ ڈل پچھلے پہر
جیسے اِک دوشیزہ آئی ہو یہاں اشنان کو
ہائے کِس انداز سے ڈُبکی لگاتی ہے وہ حُور
جا رہا ہے کِس طرح میں تھام لوں ایمان کو

•

•

راحتیں ہونگی میسّر ہستیٔ دشوار میں
روح میں جذبات جب تک رہ سکیں گے موجزن
سازِ فطرت پر غزل خوانی بھی کرتا ہوں مگر
مجھ کو بخشا ہے سکوتِ ڈل نے اعجازِ سخن

•

کشمیر جنّت نشاں

خنجر کاشی پوری

اس کے دامن میں بل کھائے گنگ و جمن
مسکراتے ہوئے لہلہاتے چمن
دن سلونے ہیں راتیں سہانی مگر
سونا اُگلے ہے دھرتی کا اس کا دہن
چاند سورج نچھاور کرے ہے گگن
یہ ہے میرا وطن یہ ہے میرا وطن

قمریوں کی ہمک بلبلوں کی چہک
پائلوں کی جھنک چوڑیوں کی کھنک
بجلیوں کی چمک بادلوں کی کڑک
شام اودھ سے صبح میں تلک
دن ضیا بار ہیں شب ہیں جلوہ فگن
یہ ہے میرا وطن یہ ہے میرا وطن

جس کا ہے شوق ہر دل میں جلوہ فشاں
جس کی جھیلیں ہیں آئینۂ آسماں
مانگ ہے جس کی افشاں بھری کہکشاں
جس کو کہتے ہیں کشمیر جنت نشاں
ہے اسی کی نکیلی سجیلی دُلہن!
یہ ہے میرا وطن یہ ہے میرا وطن

یہ ہمالہ کا دامن یہ جھاجھر یہ ہل
لہلہاتے ہیں جیسے کسانوں کے دِل
ہے بہاروں کے چہروں پہ رنگین نِکل
راہرو کوئی جائے یہاں کو بچل
خنجر ہے ہر روش اک سجی انجمن
یہ ہے میرا وطن یہ ہے میرا وطن

●

ڈَل کے کنارے

نسیم کاشمیری

رُت سہانی چاندنی اور جھیلِ ڈَل
یہ فضا یہ خامشی اور جھیلِ ڈَل

آسمان پر چاند تاروں کا سماں
دُور تک چھایا فضاؤں میں دھواں
آب میں اُتری ہوئی ہے کہکشاں
دھیمی دھیمی روشنی اور جھیلِ ڈل

دور تا حدِ نظر ہنستے کنول
ملگجے سائے ہیں یا شامِ غزل
کھُل گئے ہیں گیسوئے جاناں کے بل
یہ انوکھی نیرگی اور جھیلِ ڈل

یہ روپہلی چھاؤں پر روشن چراغ
آج چھلکے ہیں مسرت کے ایاغ
پارہی ہے زندگانی بھی فراغ
جیسے دورِ میکشی اور جھیلِ ڈل

آج فطرت کی دوشیزہ بے نقاب
آج ہر ذرّے پہ آیا ہے شباب
ہے میرے احساس کی حالت خراب
آہ ! میری بے خودی اور جھیلِ ڈل

ڈھل رہی ہے سحر کے سانچے میں رات
اب لبوں تک آرہی ہے دِل کی بات
مُسکرا اُٹھی ہے سلمائے حیات
بے زباں کا نغمگی اور جھیل ڈل

یاد آیا ہے تیری چتون کا ساز
چھو رہی ہے دِل کو تیری ہی آواز
کھول دے آکر تو اِن پر اپنے راز
منتظر ہے چاندنی اور جھیل ڈل
یہ فضا یہ خامشی اور جھیل ڈل

•

طالب چکوالی

ہے جنتِ فردوس نشاں خطۂ کشمیر
نقاشۂ فطرت کا ہے شہکار یہ تصویر

وادی ہے ہر اک وادیٔ ایمن سے حسین تر
کہسار ہیں یا حُسن کی ہے زلفِ گرہ گیر

تفریح کی دنیا کے لئے آنکھ کا تارا
ہے چشمِ سیاحت کیلئے سرمۂ اکسیر

دکھلائے کئی باغِ جناں فتنہ گروں نے
لیکن نہ چلی ایک بھی اغیار کی تدبیر

دھمکی سے خوشامد سے حکومت کی جھلک سے
آراستہ کرتے رہے صد نغمۂ تر و بیر

ایمان کے چکمے کبھی لالچ کے دلاسے
جمہور کی بہبود کے بھرے دمِ تقریر

مذہب کے تقاضے و سیاست کے چھلاوے
تخریب کے عشووں میں فسوں کاریٔ تعمیر

کچھ بن نہ پڑا جب تو لیٹروں کو بلایا
ہتھیار دیئے اُن کو کیا عازمِ کشمیر

یہ وادیٔ فردوس بنی مقتلِ انساں
شیطان کے تابع ہوئی انسان کی تقدیر

بھارت کے جوانوں کے لئے افواجِ ظفر موج
پہنچیں تو گئی دم میں پلٹ جنگ کی تقدیر

دُنیا پہ عیاں ہو گئی دشمن کی حقیقت
سب پر یہ کھلا کون چلاتا ہے نہاں تیر

خفت کو مٹانے کا نیا ڈھونگ رچا ہے
لیکن ہے ابھی ذہن میں کشمیر کی تسخیر

یہ خواب ہے یہ خواب رہا، خواب رہیگا
یہ خواب ہے وہ جو نہیں شرمندۂ تعبیر

کشمیر میں پنجاب کا جادو نہ چلے گا
پنجاب ہے پنجاب تو کشمیر ہے کشمیر

حالات نے الفاظ میں طالب کے پکارا
کشمیر کے ہم اور ہے کشمیر ہمارا